

خدمتِ اللہ

جلد ۹ شمارہ ۹

۳۱ فروری ۱۹۵۵ء ۱۵ جولائی ۱۹۵۵ء

لائسنس سلسلہ

اخبارات میں یہ خبر نیاست استعجاب سے بڑھی گئی کہ پنجاب کی کابینہ میں دو نئے وزیروں کا تقرر ہوا ہے۔ دوسرے دن اس اعلان کی سرکاری طور پر وضاحت کی گئی کہ چونکہ صوبہ کے وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزراء دستور کے سلسلے میں صوبہ سے باہر نہیں گئے۔ لہذا ان کا ماتھے بنانے کے لئے ان وزراء کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تاریخیں کام جانتے ہیں کہ ہمارے صوبہ میں پہلے ہی سات وزراء موجود ہیں اور اب کل تعداد ۹ ہو گئی ہے۔

یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ حکومت کے بنائے ہوئے اصولوں کی توہین خود وزراء صاحبان سب سے پہلے کرتے ہیں۔ اس صوبہ کی مالی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ صوبائی حکومت مرکزی حکومت سے گراں قدر قرضے وصول کر چکی ہے۔ لیکن صوبہ کے تمام اخراجات کو پورا کرنے کے لئے معاشی بچت کی صحت شروع ہیں۔ ایسے حالات میں وزراء کیوں صوبائی باپ پر بوجھ بن رہے ہیں۔ کیا ہمارے وزراء مشرقی بنگال کے وزراء کی طرح اپنی تنخواہیں کم نہیں کر سکتے۔ مشرقی بنگال کے وزراء نے اپنی تنخواہ ایک ہزار روپیہ تک محدود کر دی ہے۔ کیا ہمارے وزراء کا فدیہ آصفی صرف ان کی تنخواہ ہے؟ کیا ہر ایک ان میں سے صاحب جائداد نہیں ہے؟ اگر وہ دوسرے مسائل سے اپنے انجانات پورے کر سکتے ہیں تو ہم ان سے قدرہ اپیل کرتے ہیں کہ اخراجات کو کم کر کے فریب صوبے کو مالی مشکلات سے نجات دلائیں۔ دوسرے

یہ کہ اپنی تعداد کم کریں۔ عوام جانتے ہیں کہ پاکستان سرحد وجود میں آنے کے بعد صوبہ کے وزراء کی تعداد چار پانچ تھی۔ دو تین وزارتیں پر مشتمل رہی۔ ملک نوں نے آٹھ وزراء پر اتفاق کیا۔ اب سردار صاحب نے وزیر رکھے ہیں۔ ہر سکتا ہے کہ یہ سلسلہ ابھی اور چلے۔ سولہ ضلع کے صدر ہیں نہ وزیر رکھنا قومی سرمایہ کا بجا استعمال نہیں تو اور کیا ہے؟ ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری آواز پر غور کیا جائے گا اور حکومت وزراء کے ناجائز اخراجات میں تخفیف کر کے عذرا اللہ و عذرا

ماجرہ و موجب ہوگی۔

دفعہ ۹۲۔ الف کی تفسیر

اس دنیا کی کوئی چیز شرمین نہیں۔ ہر چیز میں حقوڑا بہت خیر ضرور پایا جاتا ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں غالباً شراب سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ لیکن اس کے تعلق خود اللہ تعالیٰ کا قرآن میں ارشاد موجود ہے۔ کہ اس میں نفع بھی ہے۔ اگرچہ اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔ جانوروں میں شاید سور سے زیادہ کوئی بڑا جانور نہ ہوگا۔ مگر لوگ اس کو پالتے ہیں اور اس کے بچوں کی خرید و فروخت سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ یارپن اقوام اس کا گوشت بھی کھاتی ہیں۔ اسی قاعدہ کی بنا پر ہمارے نزدیک دفعہ ۹۲ الف گورنٹ آف ایکٹ ۱۹۳۵ء میں اگرچہ مقرر ہے۔ تو اس میں خیر کا پہلو بھی موجود ہے۔ یہ سوال بحث طلب ہے کہ غالب عنصر شر کا ہے یا خیر کا۔ اس دفعہ کے ماتحت گورنر جنرل کو اختیار حاصل ہے کہ وہ پاکستان کے کسی صوبہ کی وزارت کو اس کی نااہلی کے باعث برطرف کر کے صوبہ کا نظم و نسق گورنر کے حوالے کر دے۔ یہ اس دفعہ کا افادی پہلو ہے۔ اس کو متوجہ کرنے کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ نااہل وزارت سے کوئی عارض نہ کر سکے گا۔ اس کے خلاف اس کا ایک تاریک پہلو بھی ہے کہ اگر گورنر جنرل یا مرکزی وزارت صوبہ کے وزیر اعلیٰ کو بعض ذاتی یا سیاسی مصالح کی بنا پر نہیں چاہتی تو اس دفعہ کے ماتحت وہ اس کی وزارت کو توڑ کر صوبہ میں گورنری راج قائم کر سکتی ہے۔

دستور کے ارکان کو حق حاصل ہے کہ وہ بے شک اس دفعہ کو متوجہ کر دیں۔ مگر صوبائی وزارتوں کی بدعنوانیوں کو روکنے کے لئے گورنر جنرل یا مرکزی وزارت کو مداخلت کا کچھ نہ کچھ اختیار ضرور دینا چاہیے۔ خواہ اس اختیار پر چند پابندیاں ہی کیوں نہ عاید کر دی جائیں۔ اگرچہ اس وقت بھی اس دفعہ کے اندر پابندیاں موجود ہیں مگر لاپرواہی اور خلوص کے فقدان کے باعث ان پابندیوں کے باوجود اس دفعہ کا نا جائز استعمال ہو سکتا ہے۔ یہی خطرہ اس کی تفسیر کا محرک ہوا ہے۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ مرکزی وزارت یا گورنر جنرل اس اختیار کو استعمال کرنے

سے پہلے پارلیمان کی منظوری حاصل کر لے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا یہ مطلب ہوا۔ کہ اس دفعہ کو متوجہ کرنے کی بجائے اس کی ترمیم کر لی جائے۔

لاہور کے نئے میئر کی خدمت میں

چوہدری کلیم الدین صاحب لاہور کے نئے میئر منتخب ہوئے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہم ان سے درخواست کریں گے۔ کہ خدا لا اس اعزازی عہدہ کو اپنی نجات کا ذریعہ بنائیے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اگر وہ لاہور کے عوام کی خدمت کو اپنا نصب العین بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خدمت کا موقع دیا ہے۔ اب یہ ان کا کام ہے۔ کہ اس کو اپنی تباہی کا ذریعہ بنائیں۔ یا دنیا میں عزت اور آخرت میں نجات کا۔ اسلام پارٹی باری کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ نعت بھی مغرب کی طرف سے ملی ہے۔ بحیثیت مسلمان کے ہیں کارپوریشن کی کسی پارٹی سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمیں تو ہر پارٹی سے یہی توقع ہے کہ وہ خالصتہً لوجہ اللہ ملک اور قوم کی خدمت کا جذبہ اپنے اندر پیدا کر کے آگے بڑھیں اور اس بلند مقصد میں نہ کوئی برادری، نہ کوئی قریب سے قریب رشتہ اور نہ دیوبند و جاہلستان ان کے راستہ میں روڑہ اٹھا سکے۔ اگر چوہدری صاحب اور ان کے رفقاء کار اس طریقہ سے کام کریں گے تو قوم ان کو سر آنکھوں پر بٹھائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بھی وہ سرخرو ہوں گے۔ ورنہ وہ یاد رکھیں کہ ان سے پہلے کئی میئر آئے اور اپنی اپنی بولیاں بول کر چلتے بنے۔ قوم کی اکثریت کو ان کے نام بھی یاد نہیں۔ اگر وہ قوم کے لئے کچھ کر جاتے تو قوم ہر سال ان کی یادگار مناتی اور ان کے لئے دعاؤں مغفرت کرتی۔



رحمۃ للعالمین کی چند زریں ہدایات

خطبہ ۱۶ از فقیدہ ۱۳۷۲ھ از مفسر قرآن مولانا محمد صاحب جامع شہداء لکھنؤ
۱۸ جولائی ۱۹۵۵ء

رکھ۔ تاکہ کوئی بیجا لفظ منہ سے نکل نہ جائے۔ جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور بھائے اس کے کہ تو آوارہ گردی کرنا رہے کبھی کہیں جا بیٹھا کبھی کہیں جا بیٹھا۔ اس سے بہتر ہے کہ گھر میں بیٹھا کہ تاکہ نیکی نہیں روکے تو برائی سے بچے رہو گے یہ چیز خود ایک نیکی ہے اور اپنے گناہ یاد کر کے روک کر دے۔

خدا تعالیٰ کے خوف سے رونے کی فضیلت

عن ابن ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یالج الناس من بکی من خشیتہ اللہ حتی یعود اللہ فی الضحی ولا یجتمع علی عبد خیار فی سبیل اللہ و دخان جہنم (رواہ الترمذی) ترجمہ کیا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے خوف سے روتا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ تاکہ دودھ اپنی جگہ پر لوٹ آئے دینی جس طرح دودھ اپنی جگہ پر کبھی نہیں لوٹ سکتا۔ اسی طرح خوف خدا سے رونے والا دوزخ میں کبھی نہیں جا سکتا اور کسی بندے پر دو چیزیں رکھی نہیں ہو سکتیں۔ اللہ کی راہ میں غبار کا پڑنا اور دوزخ کا دھواں (۲) عن سہیل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یضمن لی ما بین الحیثیہ و ما بین ارجلیہ اضمن لہ الجنۃ (رواہ البخاری و ترمذی) سنن بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص میرے لئے اپنے دو ہنڈیوں کے درمیان والی چیز اور اپنے دو پاؤں کے درمیان والی چیز کا ضمان ہو جائے۔ میں اس کے لئے بہشت کا ضمان ہو جاتا ہوں۔

حدیث شریف کی شرح

یعنی جو شخص دو ہنڈیوں کے درمیان والی چیز یعنی زبان کا ذمہ اٹھالے کہ میں اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کروں گا۔ اور دو پاؤں کے درمیان والی چیز یعنی سرنگاہ کا ذمہ اٹھالے کہ میں اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف صرف نہیں کروں گا تو ایسے شخص کے بہشت میں داخلے کا ذمہ میں اٹھا لیتا ہوں (۳) عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اخرج من اسلام و رزق کفایتاً و قنعہ اللہ بما آتاکہ (رواہ مسلم) ترجمہ کیا کہ عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تحقیق اس شخص نے (اللہ کے عذاب سے) نجات پائی جو اسلام لایا اور اسے بقدر ضرورت رزق دیا گیا۔ اور اسے اللہ نے قناعت نصیب فرمائی

ترجمہ کیا۔ شہاد بن اوس سے روایت ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بیشک اللہ جبارک و تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔ جیسا تم قتل کرو تو اس میں بھی اچھا طریقہ اختیار کرو اور جب ذبح کرو تو ذبح کرنے میں بھی اچھا طریقہ اختیار کرو اور چاہیے کہ ایک تمہارا اپنی پھری کو تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے

حدیث کی شرح

ارشاد ہے کہ ہر چیز پر احسان کرو۔ حتیٰ کہ جس دشمن کو قتل کرو اس پر بھی احسان کرو۔ ایسے طریقہ سے قتل کرو کہ وہ قتل بھی ہو جائے اور اسے تکلیف بھی زیادہ نہ ہو۔ مثلاً داغ یا دل پر گولی لگنے سے وہ فوراً مر جائے گا اور اگر ایذا زیادہ دینا ہو۔ جس سے آپ منع فرما رہے ہیں۔ وہ یہ کہ مثلاً پہلے ایک پاؤں کاٹا جائے۔ پھر ایک ہاتھ کاٹا جائے۔ پھر ایک پاؤں کاٹا جائے۔ پھر ایک ہاتھ کاٹا جائے۔ پھر اس کی ناک کاٹی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس اسے ایذا دے دے کہ دو دو گھنٹے میں قتل کیا جائے۔ اس طرح پر قتل کرنے سے حضور انورؐ منع فرما رہے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ذبح ہونے والے جانور پر بھی حسن سلوک کی تلقین فرما رہے ہیں کہ پھری کو تیز کر لو تاکہ ایک منٹ سے پہلے ہی وہ ذبح ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ گند پھری لے کہ اس کے گلے پر کافی دیر تک دگرگتے رہو۔ تب کہیں جبکہ وہ جانور ذبح ہو۔

رحمۃ للعالمین کی مومنوں کیلئے زریں ہدایات

عن عقبہ بن عامر قال لقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ما لہذا فقال امسک علیک لسانک لیس مع بیتک وابت علی خطبتک (رواہ الترمذی) ترجمہ کیا۔ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ میں نے عرض کی نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھ اور تیرا گھر نہیں گنڈائش دے دینی گھر میں بیٹھ کر خدا یاد کیا کرو اور اپنے گناہوں پر روک کر۔ حاصل یہ نکلا کہ اپنی زبان کو قابو میں

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک القاب میں ایک لقب رحمۃ للعالمین کا بھی تجویز فرمایا ہے۔ آپ کا وجود مسیح سا ہے جہان کے لئے رحمت ہے۔ حتیٰ کہ اس تعہیم میں کافر بھی آتے ہیں۔ بلکہ حیوانات بھی اس میں شامل ہیں۔ قرآن مجید کی سورت کف کے پہلے رکوع میں ارشاد ہے۔ خلقت باخع نفست علی اناس۔ ترجمہ کیا ان لم یؤمنوا بهذا الحدیث اسقاه۔ ترجمہ کیا پھر شائد تو ان کے پیچھے انوس سے اپنی جان ہلاک کر دے گا۔ اگر یہ لوگ اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائے۔

حاصل

یہ ہے کہ کفار کے قرآن مجید پر ایمان نہ لانے کا حضور انورؐ کو اتنا صدمہ ہے کہ شائد اس غم میں آپ کی جان ہی ہلاک ہو جائے۔ سبحان اللہ رحمۃ اللہ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ شفقت اپنے خون کے پیاسوں پر ہے۔

حضور کے متعلق کفار کا نظریہ

جن کافروں کے ایمان نہ لانے کے غم میں آپ سخت پریشان ہیں۔ اُن کا نظریہ آپ کے متعلق یہ ہے واذ یقولون الذین کہنوا البیتوت او یقتلونک او یخربونک ویسکون ویسکون واللہ خیر للعالمین دسراہ الا لفعال رکوع علی پارہ علی قس جہمہ اور جب کافر تیرے متعلق یہ بریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں دیں بد کر دیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ اپنے خون کے پیاسوں (کفار) پر بھی رحم فرمایا کرتے تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حیوانات پر رحم

عن شہاد بن اوس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ کتب الاحسان علی کل شیء فاذا قتلتمہ فاحسنوا لقتلہ و اذا ذبحتمہ فاحسنوا الذبح ولین احدکم شفتہ و لیوح ذبیحہ (رواہ مسلم)

نماز اختیار کی نظر میں

مسلمان کو نماز کے محاسن اور اس کی عظمت کا عقیدہ ملتا محض ہونا چاہئے تھا۔ لیکن افسوس کہ اس نے کبھی اس طوف غور نہیں کیا۔ غیر مذہب والوں نے ان محاسن کو بیان کیا۔ چنانچہ :-

فلاسفر بورن بیان لکھتے ہیں :-

میں نے کئی بار مسیحی و اسرائیلی اور اسلامی نماز کا موازنہ کیا تو غور کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ مورخانہ کہ عبادت واقعی سب سے افضل و بہتر ہے اور بہت سی عبادتوں کا مجموعہ ہے اس میں خدا کی حمد و ثنا۔ تقدیس و تہجد۔ دعا اور عاجزانہ استدعا و القاب سب کچھ موجود ہے میں محض اسلامی نماز کی شان دیکھنے کے لئے جمعہ کے روز التزام کے ساتھ اسکندریہ کی جامع مسجد میں جایا کرتا تھا۔ یہ حالت تھی کہ جب میں خطیب و امام کا پڑھنا شروع کرتا تھا اور صفوں کی ترتیب اور رکوع و سجود کے اہتمام پڑھ کر کرتا تھا تو میرے دل پر عجیب اثر پڑتا تھا۔ ایسا اثر جو ناقابل بیان ہے۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ اسلام مجھے پکار کر اپنی طرف بلا رہا ہے اور نماز کا پڑھنا صرف ظاہر مہری روح پر قبضہ کرتا چلا جا رہا ہے۔

یہ اس غیر مسلم قوم کے ایک فرد کے تاثرات ہیں۔ جسکی تہذیب و تمدن کو اختیار کرنا ہم فرض سمجھتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی دیانتداری نہیں۔ ان کی ہر بڑی حرکت کو ہم اختیار کرتے ہیں۔ لیکن اس قوم کے محاسن ہم میں مفقود ہیں۔ یہیں چاہیے کہ ہم تمدن کے ان اثرات کو قبول کریں جن سے غیر مسلم متاثر ہو رہا ہے۔ اسی طرح روم کے مشہور نامور پادری سینٹ ہیلر کو قدرتا اپنی مذہبی نماز کا حامی ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اسلامی نماز نے انہیں بھی مسحور کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

میں نے بہت سے ملک اسلام کا سفر کیا اور جہاں جہاں کیا وہاں کی عبادتگاہوں کو ضرور دیکھا۔ اور اسی سلسلہ میں مجھے نماز پر بھی غور کرنے کا موقع ملا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ واقعی نماز ایک افضل ترین عبادت ہے۔ جب ایک خدا پرست بندہ اپنے کام و بار اور مشاغل سے فارغ ہو کر نماز کے لئے اس کی خوشنودی کے حصول کیلئے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی حمد و ثناء کے گیت گاتا ہے تو یقیناً روح پر ایک دہانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور یقیناً اس وقت وہ اپنے مذہب کے

قریب تر ہوتا ہے۔ تاکہ وہ اپنی تمام مخلصانہ قوتوں اور عقیدتوں کے ساتھ رب قدیر کے حضور میں سترچ نظر آتا ہے۔ جس کا نتیجہ طہارت روح اور پاکیزگی قلب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں گو نہ ورثی پلہ بھی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ لازمی سست و کاہل نہیں ہوتے اور صبح کی بیداری عجیب اثر رکھتی ہے یہ ایک عیسوی مذہب کے پیشوا کے تاثرات ہیں جو اپنی مذہبی عبادت سے اسلامی عبادت کو ترجیح دے رہا ہے۔ تہذیب فرنگ کے دلاور مسلمان کو چاہیئے کہ وہ کم از کم اپنے روحانی آقاؤں کی ان باتوں کا کچھ اثر تو قبول کریں۔

جیمس مولر

روبرٹ جیمس مولر دنیا عیسائیت کے مذہبی رہنما نماز کے متعلق لکھتے ہیں

تعصب سے کام لینا آسان ہے۔ لیکن سچ بولنا اور سچ کہنا دشوار بلکہ بہت دشوار ہے۔ اور میں اس وقت عملاً دشوار گزار منزل پر ہی اختیار کرتا ہوں۔ میں نے بار بار اپنے مسلمان دوستوں سے گفتگو کی ہے اور ان کے عقائد کی تحقیق میں بھی مصروف رہا ہوں میں دیکھتا ہوں کہ تیرہ صدیوں کی طویل مدت گزر جانے پر بھی وہ پیغمبر اسلام کے ایسے ہی الامتگزار ہیں اور ہر چیز سے زیادہ انہیں محبوب رکھتے ہیں ان کی محبت کا ایک خاص سبب ہے اور وہ سبب نماز ہے۔ یہ وہ اہم عبادت ہے جس پر دنیا سے اسلام کا ایک بیشتر حصہ آج بھی عال و کار بند ہے مسلمانوں کا عام عقیدہ ہے کہ نماز برائیوں اور گناہوں سے روکتی ہے اور بیماری اور بھرنی کے کاموں سے محفوظ رکھتی ہے۔ بظاہر مجھے یہ عقیدہ درست اور صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اکثر نمازی مجھے برائیوں کی طرف مائل اور راغب نظر آتے ہیں۔ پھر بھی میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں اور تجربہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دن میں پانچ مرتبہ اور ایک مہینہ میں ایک سو پچاس مرتبہ خائے بزرگ و بزر سے پرہیزگاری کا عملہ اور گناہوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور پرہیزگار بن جائے گا۔

نماز کو اگر صحیح طریقہ سے پڑھا جائے تو یقیناً وہ انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھے گی۔ مسلمانوں

کو چاہیئے کہ وہ بھی اس انگریز مصنف کی طرح کم از کم یہ عقیدہ تو ضرور رکھیں کہ بلا نماز ادا کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کبھی نہ کبھی گناہوں سے بچ جائے گا۔

ایک اور انگریز مصنف سی ایم کینگ نماز کے متعلق لکھتے ہیں :-

انسان کی فطرت و عہد ہے کہ جب وہ دینی کاموں اور محسوس تفریحات میں مشغول ہوتا ہے تو اصلاح نفس کا اسے خیال نہیں رہتا اس طرف سے داخل بے ہوا ہو جاتا ہے اور بعض تفریحات تو ہوتی ہی اس قسم کی ہیں کہ انسان کو اپنے خالق و رب کی یاد سے لازماً غافل کر دیتی ہیں۔ اس فلسفہ و تجربہ کی روشنی میں جب میں اس امر پر غور کرتا ہوں کہ اسلام نے مسلمانوں پر پانچ وقت نمازی فرض کی ہیں اور مجبور کیا ہے کہ وہ ہر حال میں اس فریضہ مذہبی کو ادا کریں تو مجھے بے ساختہ اس حقیقت کا احوال کرنا پڑتا ہے کہ نماز ایک بہترین ذریعہ ہدایت ہے جب ایک صحیح العقیدہ انسان ہر طرف سے بے نیاز و مستغنی ہو کر خلوص و محبت اپنے پیدا کرنے والے کی یاد میں مشغول ہوتا ہے اور اسکی تسبیح و تقدیس بیان کر کے اسکی خوشنودی اور رضا جوئی کا آرزو مند و متغنی ہوتا ہے اور اس سے استقامت چاہتا اور مدد مانگتا ہے۔ تو یقیناً اس کی روح اس سے متاثر ہوتی ہے۔ پاکیزگی کی فضا میں پہنچ جاتی ہے۔ اور اس کے دل و دماغ سے نفس پرستی کا ضبط دور ہو جاتا ہے۔ میں نے بلندتر اور اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے اثر و اقتدار کے اعتبار سے بڑی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور کم حیثیت انسان ان سے بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک عظیم الشان اور بلند مرتبہ انسان بھی بیٹا بن جاتا ہے اور اپنے اس میں داخل ہو جاتا ہے اور اپنے کم حیثیت اور غیر معروف جائزوں کے دوش بدوش کھڑے ہو کر فریضہ نماز ادا کرتا ہے یہ نظارہ بے حد مؤثر ہوتا ہے اور اس سے یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ فی الواقعہ اس عبادت میں سادگی و فروتنی کے گرائیہ سبق موجود ہیں اور اس میں مساوات کی پوری شان نظر آتی ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے ایک عجیب انداز سے امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کو ایک صف میں کھڑا کر دیا اور مناسب طریق پر دور و نزدیک کے ظلم کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ یہی تسلیم کرتا ہوں کہ واقعی نماز ایک بہترین طریق عبادت ہے۔

یہ سب کے سب پورے ہیں۔ جن میں پادری بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جو الحاد و بیہینی کے موڑ بنے ہوئے ہیں۔ سب نے نماز باجماعت کے محاسن بیان کئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آج مسلمانوں نے نماز باجماعت ترک کر دی ہے۔

مشورہ

از احسان دانش

خود آگاہی و خدا آگاہی کی بات کرو
یہ میسر ہے یہاں بخودی کی بات کرو

نئی تریں ہے، نیا احساس نیا ماحول
نئے شعور، نئی زندگی کی بات کرو
یہ جبر وقت جہنم نہیں تو پھر کیا ہے

غموں میں غرق رہو اور خوشی کی بات کرو
یہ مقبرے ہیں یہاں ذکر زندگی بے سو

کفن فروشی و مرگ خودی کی بات کرو
خضر کی راہ نہ دیکھو کہ رہنمائے جنوں

قدم بڑھائے چلو خود روی کی بات کرو
نئی سحر کے اُجالوں کو ہم سمجھتے ہیں

کسی دھوئیں میں گھری روشنی کی بات کرو
بڑی ہوئی ہے غموں سے نزاکت احساس

جو خوش نہیں ہیں نہ اُن سے خوشی کی بات کرو
ہر اک کو وسعت ظرف نظر نصیب کہاں

بہ احتیاط غم زندگی کی بات کرو
نہیں ہے کوئی تعلق تو گفتگو موقوف

جو دوستی ہے تو پھر دوستی کی بات کرو
مرے جنوں کا تو احسان مشورہ ہے یہی

ہزار تلخ سہی منصفی کی بات کرو

مجلسِ ذکر

مجلسِ پیر محمد علی عابد الرحمن

آج مورخہ ۵ دسمبر ۱۳۸۲ھ مطابق ۲ جولائی ۱۹۶۵ء مجلسِ ذکر کے بعد محذوفا و مرشدنا حضرت مولانا
احمد علی صاحب مدظلہ العالی نے جو تقریر فرمائی وہ درج ذیل ہے۔

اچھی اور بُری صحبت

علیہ وسلم کے مسند نشین ہیں۔ صوفیائے عظام
تذکیہ کا فرض ادا کرتے ہیں۔ وہ قرآن کا رنگ
پڑھاتے ہیں۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے مسند نشین ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
خیاس عباد اللہ اذا ما اودعکم اللہ خدا کے
نیک بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے
تو خدا یاد آئے۔ اس قسم کے اللہ کے بندوں
کے کمالات کا عکس پڑتا ہے۔ ان کی صحبت
میں جانے سے دل چاہتا ہے کہ اللہ اللہ کریں
دل دنیا سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔ اس چیز کو
سارے تیرہ سو سال پیچھے لے جایئے۔

اور اندازہ کیجئے کہ حضور کی صحبت بابرکت
میں کتنا اثر پڑتا ہوگا۔ آپ کی صحبت میں
سب کچھ وہی طور پر حاصل ہو جاتا تھا۔ اب
سب کچھ کسب حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اس کے
لئے نیکوں کی صحبت بے حد ضروری ہے۔ بدوں
کی صحبت میں جا کر اور نہیں تو بُری باتیں ہی
سننے کا۔ نیکی اور بدی کی سمجھ بھی سیکھے بغیر
نہیں آتی۔ ہمارے ہاں عام طور پر نیک کی
تعریف یہ ہے کہ انہیں بڑھی ہوئی ہوں، اور
گروے رنگ کے کپڑے زیب تن ہوں ایسے

شخص کو نیک کہا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ
سرتا پا شیطان ہو۔ میاں محمد عیسیٰ صاحب ساکن
میاں علی جو اس مجلس میں موجود ہیں۔ وہ شیخ
کے سلسلے میں ایک گاؤں گئے۔ جس شخص کے
گھر میں معان تھے۔ اس کے ہمسایوں میں ایک
پیر آیا بڑا عا۔ اس ہمسائی نے ان کو بتلایا

کہ میرا پیر اناج نہیں کھاتا۔ صبح سے دو مرغ
پکوا کر کھا بیٹھا ہے۔ مذہبی حلوہ بھی پکوا کر
کھا چکا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ بارہ
روپے نذرانہ دوگی تو جاؤں گا۔ میں ایک
دفعہ سندھ گیا تو ایک دوست نے وہاں کے
پیر کا دفعہ سنایا۔ پیر صاحب کے مریدوں
میں عام طور پر یہ مشورہ تھا کہ ہمارے پیر
صاحب کی کرامت یہ ہے کہ پانچا نہ نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وکفی وسلاص
علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اب بعد عرض یہ ہے
کہ ذکر جمہرات کو ایک ہی دفعہ ہوتا ہے۔ احباب
دور سے تشریف لاتے ہیں۔ میرے ذمے
اللہ تعالیٰ نے ان کی تربیت کا فرض عائد کر
دیا ہے۔ اس سلسلے میں میں جو کچھ ان کی تربیت
کے لئے عرض کرتا ہوں اس کو میں اپنا فرض
سمجھتا ہوں۔ میرا کام ہے آپ کی رہنمائی کرنا
اور آپ کے ذمے ہے کہ جو کچھ میں عرض کروں
اس کو غور سے سُنا دل پر لکھ کر لے جانا اور
عمل کرنا۔ انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔

صحبت دو قسم کی ہوتی ہے ایک ابھی
اور دوسری بڑی۔ ابھی صحبت اچھے نتائج پیدا
کرتی ہے اس سے اخلاق سنور جاتے ہیں اور
سنتقل درست ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے
اور آپ سب کو ایسی صحبت نصیب کرے۔ جس
سے یہ نتائج پیدا ہوں۔ بڑی صحبت میں ثابت
برباد ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک مثال میں اچھی اور بڑی صحبت کے
نتائج کو واضح فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ
اچھی صحبت کی مثال ایسی ہے۔ جیسے عطر
کی دکان ہو جو شخص اس دکان میں جائے گا
تو وہ اگر عطر نہ بھی خریدے گا تو کم از کم
اس کی خوشبو تو ضرور سونگھے گا۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے بڑی صحبت کو لوہار کی ٹہٹی سے
تشبیہ دی ہے۔ ایسی دکان میں جانے والا
اگر کچھ لے گا نہیں تو کپڑے ضرور جلا کر
آئے گا۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں کہ صحبت
نیکیاں بے حد نیکی و صحبت ہر اں بہ اند بدی۔
اللہ تعالیٰ ہمیں نیکوں کی صحبت میں پہنچائے۔
اولیاء کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسند
نشین ہونے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱)
علمائے کرام (۲) صوفیائے عظام، علمائے کرام
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم کتاب کا فرض
ادا کرتے ہیں۔ وہ بھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ

مسلمانوں کا منزل اور اس کے اسباب

انھما تاحکین صاحب بخاری

انسانی زندگی میں دو ایسے واقعات لاہری ہیں۔ جن کا تعین وقت ثابت دشوار ہے۔ ان میں ایک واقعہ تو فرد کی زندگی سے متعلق ہے اور دوسرا قومی حیات سے۔ فرد سے وابستہ یہ کہ کوئی صحیح طور پر نہیں بتا سکتا کہ اسے نیند کس وقت پر آئی اور قوم کے متعلق یہ کہ اسے زمان کب شروع ہوا۔ صحیح تاریخ اور دن کا اندازہ بہت دشوار ہے۔ کسی قوم کا منزل تب ہی پتہ دیتا ہے۔ جب وہ زبان زد عام ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا مقولہ قوم مسلم کے بارے میں کھلتے طور پر صادق نہیں آتا۔ اگرچہ دوسری قوموں پر لچری طرح منطبق ہے۔ اس قوم کا منزل دوسری قوموں سے تمیز ہے اور ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی تاریخ ہے جبکہ یہ قوم رو بہ انحطاط ہوئی۔ وہ دن اس تاریخ کو ہوا جبکہ قرن اول میں خلافت راشدہ ختم ہوئی اور مسلمانوں کے ہاں ملکیت آئی۔ یہی وہ دن ہے۔ جس دن سے مسلمان دوسری قوموں سے بہت ہی کم امتیاز رکھتے ہیں۔ اسی دن کو ہی اس قوم میں فرقہ اور گروہ بندی کی داغ بیل پڑی اور اس حد فاصل تک ہی مسلمانوں کو وطن اختیار کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر خلفائے راشدین یا اس وقت کے علم الناس میں کوئی غریب ہے جو بڑے سے بڑے ناقد کو مرہب رکھتی ہے۔ ان میں کیا بات تھی جو اغیار کو سرنگوں کئے دیتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اسلامی قیادت اور رہنمائی کی زمام ان افراد کے ہاتھ میں تھی جن کا ہر دکن اپنے ایمان و عقیدہ اعمال و اخلاق، تربیت و تہذیب، نفس کی کمرائش، سیرت کی ہندی میں حضور رحمة اللعالمین کا ایک مستقل معجزہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ ان کے ماضی اور حال میں زمین اور آسمان سے زیادہ فرق تھا۔ ان کے میلانات اور رجحانات، خواہشات و منقہیات، ذہنیات و طرز فکر قطعاً ایک نئے ڈگر پر پہنچ چکے تھے۔ یہ بزرگ دین و دنیا کی جامعیت کا مجسمہ کامل تھے اور بے مثال نمونہ تھے۔ جس طرح مجرب اپنے عیب کا عکس بناتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے جملہ صفات میں حضور کی پیروی تمام کی تھی۔ وہ ایک ہی وقت میں مساجد کے موزن امام اور صلوٰتوں کے قاضی اور مصنف تھے۔ بیت المال کے خازن اور امین تھے افواج کے جہی سپاہی اور دیدہ و رسہ سالار تھے۔ بیک وقت ہی امور جنگ کا انصرام ملکہ اور شہروں کا انتظام ان کے سپرد تھا۔ ہر شخص

کہتے۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے پیر صاحب کو رات کو پلاڈ کھلایا اور سوتے وقت خوب کڑھا ہوا دودھ پلا دیا اور ان کو ایک کمرے میں شلا کر دروازہ مقفل کر دیا۔ اسے جب حاجت ہوئی تو بہت کوشش کی مگر باہر نہ نکل سکا۔ اینٹیں بھی اکھاڑنے کی کوشش کی آخر کار باورچی خانے میں جا کر پاخانہ کر دیا۔ میں نے سب کو بلا کر ان کے مریدوں کے غلط پہلا پکینڈے کا راز فاش کر دیا۔

نیکی کے لئے سب سے پہلی شرط اتباع شریعت ہے جو متبع شریعت نہیں اسے ہم نیک نہیں کہہ سکتے اور وہ شخص کم از کم مسلمانوں کا مذہبی مقتدا نہیں ہو سکتا۔ اتباع شریعت کا مطلب یہ ہے کہ ارکان خمسہ اسلام کا پابند ہو۔ یعنی کم از کم نماز روزہ وغیرہ کا پابند ہو اور عورات سے اجتناب کرنا ہو۔ مثلاً سود نہ لیتا ہو۔ شراب نہ پیتا ہو۔ یہ اتباع شریعت کی بسملہ اللہ ہے۔ اس کے اوپر اور مدارج بھی ہیں جن کی صحبت میں جہنم بھی حکم دیا گیا ہے۔ ان کا ذکر قرآن پاک میں آتا ہے۔ واصلہ فسلک مع الذین یدعون بہم۔۔۔۔۔ الایہ

یہ وہ لوگ ہیں جو صبح و شام اللہ کی یاد میں شاغل رہتے ہیں اور ان کی زندگی کا مقصد فقط رضائے الہی ہے۔

انسان دو قسم کے ہیں بعض کو رضائے الہی مقصود ہوتی ہے۔ اس قسم کے حضرات فرماتے ہیں کہ عامۃ الناس کی مجلس میں بیٹھنے سے تنہا بیٹھنا بہتر ہے اور تنہا بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی صحبت میں بیٹھنا بہتر ہے۔ دہی کے ایک مجذوب کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ان کی طبیعت پر قبض طاری ہو گئی۔ دیوبند چلے گئے اور حضرت شیخ احمد رحمۃ اللہ کے پاس بیٹھ کر ان کے پاؤں دبانے لگے۔ زبان سے کچھ نہیں بولے۔ صرف پاؤں دبانے سے قبض رفع ہو گئی اور ہنستے ہنستے واپس آ گئے۔ اپنے اندر فطرۃ کا نور سلامت ہو تو کمال کی صحبت میں بیٹھنے سے ادھر سے کدھرت آتی ہے۔ موجودہ زمانے میں اس قسم کے حضرات میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو بڑی صحبت سے بچنے اور ابھی صحبت سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

مشتی و زہد۔ سپاہی و مجاہد، معاملہ فہم قاضی۔ مجتہد فقہیہ صاحب تدبیر حاکم اور پختہ کار سپاہی نام تھا۔ ان کا سربراہ وہ ہوتا تھا جس میں یہ صفات سب سے بڑھ کر ہوتی تھیں۔ وہ خلیفہ بھی اور امیر المومنین بھی ہوتا تھا یعنی اس کی ذات بکتامیہ دین اور سیاست کی مکمل اجتماع ہوتی تھی۔ اس کے گرد و پیش ایسے لوگ جمع ہوتے تھے جو ذات نبوی کے صحبت یافتہ اور مدرسہ نبوی کے تربیت یافتہ ہوتے تھے۔ ان کو خلیفہ پر مکمل اعتماد اور خلیفہ کو ان پر کمال بھروسہ ہوتا تھا۔ ہر ایک بار خلافت کی برداری میں شریک تھا۔ خلیفہ کوئی اقدام ان کے مشورہ کے بغیر نہ اٹھاتا ان کی آپس میں سبوتوں کی ممانعت اور ادراج کی ہم آہنگی تھی اور یہی دو پہلی ان کی پوری زندگی اور جملہ انصاف پر حاوی تھیں نتیجہ کے طور پر ہر ایک کام خواہ دینی ہو یا اخروی خوش اسلوبی سے ہو رہا تھا۔ روحانیت اور مادیت میں کشمکش نہ تھی۔ دین و سیاست میں تضاد نہ تھا مصلحت و اصول کی یکجائی اور اخلاق و اخلاق کی وابستگی تھی غرضیکہ ہر طرح ان کی زندگیوں قرآن اور سنت کی آئینہ دار تھیں۔

یہ ہے اس انسانی مفاثر کا مختصر سا خاکہ جس پر عالم اسلام کو فخر ہے۔ بہترین احوال اور بے مثال کردار کی یکدلی اس سے بڑھ کر مندرجہ بہت پر دیکھی نہیں گئی۔ قلم کو یاد نہیں کہ ان کے جملہ صفات حمیدہ کا عشر عشر تک بھی صفحہ فراموش پر رقم کر سکے۔ عقل عاجز ہے کہ ان کی کسی صفت طیبہ کے بیان کا حق ادا کرے۔ ہم صرف انسانی نفس پر کفایت کر کے آگے بڑھتے ہیں۔

اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی وجوہات یا اسباب تھے جن کی وجہ سے قرن اول کا دور مقدس جلد رخصت ہو گیا۔ اسلام کی دیوار آہنی میں کئی رخنے پیدا ہو گئے۔ جن سے نختے اور مصائب نفوذ کرنا شروع ہو گئے۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے۔

اولاً دین و سیاست میں عملی تفریق برپا ہوئی جو کہ خلفائے راشدین میں نہ تھی۔ یاد رہے اس سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ذات مستثنیٰ ہے۔ وہ ہمارے نزدیک خلیفہ راشد تھے۔ البتہ خلفائے بنو امیہ اور بنی عباس اس تفریق کے حامل تھے۔ خلفائے بنو امیہ نے دین سیلکھا چھوڑ دیا۔ حکومت اور سیاست کو تنہا اپنے ہاتھ میں لے کر محض عقلی جسمانی سے کاروبار حکومت کرنا شروع کیا۔ جب

بھی ان کی مصیبتیں مقتضی ہوتی تھیں تو دین کی طرف رجوع کیا اور علماء سے استفادہ کر لیا۔ چاہا تو ان کا مشورہ قبول کیا اور نہ چاہا، تو وہ کہہ دیا۔ اسی وجہ سے سیاست دین کی نگرانی سے آزاد ہو گئی اور اس نے شنشہایت کا رونا دھارہ لیا۔ اہل دین اور اہل علم عجیب صورت سے دو چار ہوئے۔ ان کا یہ حال تھا کہ حکومت کی مخالفت کریں یا سیاست سے علیحدہ ہو کر اصلاح افراد پر ہی صحت فوج دیں۔ سنت جمہوریوں سے سنا ہوا۔ بعض علماء مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اور جس قدر ممکن ہو سکا اصلاح حال کرتے رہے۔ ایسے افراد بھی تھے جو ذاتی اغراض کی بنا پر حکومت سے تعاون کر رہے تھے بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اگر یہ نظری اور افتخاری طور پر نہ بھی البتہ عملی طور پر دین اور سیاست دو شہ بدوش نہ رہے تھے۔ دین کی جمہوری اور سیاست کی بے باکی بڑھتی گئی۔ ان بیل و نہاد نے اہل دنیا اور اہل دین کے دو علیحدہ علیحدہ گروہوں کو بالآخر جہنم دے دی۔

ثانیاً یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دور ختم ہو گیا۔ جن گوشوں سے ان کی تائید و تبلیغ تھی وہ یکسر مفقود ہو گئی۔ دیار خلافت سے دین کی نگرانی سہاٹی ہوئی۔ خلیفہ کی ذات مسلمانوں کی جامعیت کا مرکز ہوتی تھی۔ حرام اناس کو وہ دیار خلافت تک رسائی کے لئے قید و بند کش نہ تھی۔ اب ان دونوں کے درمیان شان اور وقار کا پردہ حائل ہو گیا اور ذہن بائیکا رسید کہ خلیفہ مساجد تک آنے سے اجزانہ کرنے لگا اور مسلمان اس کی صورت تک کے شناسا نہ رہے۔ اس کے گم و پیش اہل ثروت اہل علم و ادب کا کار عمل حکومت تھے۔ دینی مشیروں اور روحانی رہنماؤں کی بجائے وہ بار خوشامدی اور سید ساز لوگوں سے بھر گیا۔

انہی امام میں مسلمانوں میں فن موسیقی اور دوسرے فرائض کو دھب نے رواج پایا۔ وہ دین رخصت ہو چکے تھے جبکہ مسلم قوم پر حیثیت بھری تہذیب تھی۔ کثرت در نے مسلمانوں کو کابل اور آرام طلب بنانا شروع کر دیا۔ خود بخود اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس لذت اندوزی اور نفس بہمدی کے لیل و ناز میں اور اس اخلاقی تنزل کے دور میں کونسی قوم اپنے فرائض منصبی کو کما حقہ ادا کر سکتی ہے۔ من حیث الہامات اخلاقی اسوہ کون پیش کر سکتا ہے؟ اگر خال خال صحیح اسلامی تقسیم کر اپنانے والے لی بھی جاتے تو ان کے لئے ایسے معاشرے سے دوچار ہونا مشکل نہ تھا ان کے دوش کام نہ صرف اصلاح حاکمی کرنا بلکہ اپنے وجود عزت اور آزادی کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ ایسے کھن

امتحانات میں بہت ہی کم لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ خلافت کی دین میں عدم تجویز کی وجہ سے اسلامی سوسائٹی ختم ہو گئی۔ غیر مسلموں کے دلوں سے اسلام کا رعب جاتا رہا مسلمانوں کے پاس تسلیم پیغمبر تو موجود ہی تھی۔ مگر اس پر عمل کرنے والے ناپید تھے۔ اسی وجہ سے دین کی قبولیت میں پس و پیش اور ہیکچا ہٹ تھی۔ اس موقع پر ایک غیر مسلم مدیر کے قول کا تذکرہ کر رہا ہوں کہ "اسلام کو اس لئے زوال شروع ہوا کہ انسانیت کو ان لوگوں کی صداقت میں شبہ ہونے لگا جو دین کی نمائندگی کر رہے تھے" کیونکہ اب مسلمانوں کے قول و فعل میں تضاد بہت نمایاں تھا جو دوسروں کو کہتے تھے وہ خود تک نہیں کرتے تھے۔

دعا یہ کہ مسلم مفکروں نے تفکر فی الدین چھوڑ دیا۔ علم قرآن و سنت ان کے نزدیک فرسودہ نظر آنے لگا۔ تدبر فی القرآن کی بجائے یونانی فلسفہ کی تحقیقات میں پڑ گئے۔ مواہد اس کے متکلف نہ تھے کہ ان فضولیات میں تفسیر اوقات کرتے۔ اہل یونان تخلیق کائنات کے اسرار و رموز کی مشکافیوں میں مدتوں مصروف رہے اور مدتوں تک عقلی گھوڑے دوڑاتے رہے۔ لیکن پھر بھی کوئی ناقابل شکست نظریہ پیدا نہ کر سکے۔ ایک نے دوسرے کے مقصد حیات کو روکیا تو دوسرے نے تیسرے کی تعلیمات کو باطل۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کتاب الہی کے ذریعے سے ان تمام گورکھ و دھندوں سے نجات دی تھی ان کو کتاب اور حکمت سے فرازا تھا۔ زندگی کے بلند ترین مقصد (HIGHEST GOOD) کو پا چکے تھے۔ ان کی تعلیم فلسفہ یونان سے بدرجہا ارفع اور پاکیزہ تھی۔ لیکن یہ محض اصطلاح کی مٹا تھی کہ اسلامی دانش تحقیق مادہ اور مابعد الطبیعیات میں گم گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین کے لئے عملی کوششیں مفقود ہو گئیں۔ جب سطح نظر ہی سطح سے ہٹ جائے تو اس کے لئے کوشاں کون رہتا ہے۔ دین کو دنیا پر فوقیت کا تصور اہل اسلام سے چھین گیا۔ جس کی وجہ سے وہ تنزل کی طرف قدم بڑھا گئے۔ خاصاً یہ کہ جب دین میں اہل علم کی طرف سے تدبیر اور تفکر نہ رہا اور جب اس طبقہ کی اکثریت نے دین کی تعلیمات میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا تو عقائد حرام اناس کے تصرف میں آ گئے۔ غیر شرعی اصولوں کا وہاں شکن جواب نہ دیا گیا۔ جس سے بدعات اور عجی رسومات نے زور پکڑا۔ جہلا کے نزدیک غرض پرستوں کی ایجاد۔ کہ وہ بدعات جزو دین شمار ہونے لگیں۔ مسلمانوں کو جو دوسری قوموں پر فوقیت ہے وہ محض دین کی برتری کی وجہ سے ہے۔ جب انہیں اپنا دین برتر کرنا مقصود نہ ہوا تو لازمی طور پر وہ باطل پرست دین کی سطح پر آئے لگا۔ فریبکہ جب سے عقل

انسانی نے دین میں مداخلت کی تو تحریکات کا دور دورہ ہوا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ شام حقیقی کے دین کی تنقید میں لب کشائی کر سکے۔ لیکن جب غیر دینی عنصر بھی دین میں حلول ہو گیا۔ تو کفر کی زبان طعن نیز تر ہو گئی۔ یہ چند وجوہات ہیں جنکی وجہ سے ہمارا دین دین مجازی نہ رہا اور مسلمان چونکہ دین کا ساتھ نہ دے سکے۔ لہذا تائید و حمایت اندوزی سے محروم ہو گئے اللہ کی کتاب مقدس میں کئے ہوئے وعدہ نام کے مسلمانوں کے لئے نہ تھے بلکہ ان کے لئے تھے جو دین حق سے سرمو اخلاف نہ کرے اور حق و باطل کی جنگ میں حق کے لئے سینہ سپر ہو جائے۔ اس مقام پر ایک غلط فہمی کا اناں اشد ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اہل اہل ہی میں دین کی پاسداری نہ رہی تھی تو آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد جبکہ لا تعداد مصائب اور نشیب و فراز راہ دین میں حائل ہو چکے ہیں تو ہمیں کس طرح دین حق صحیح و سالم ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ باوجود ان تمام وقوف کے حقیقی دین کی تعلیم ایک خاص گروہ کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے اور یہ صرف ہمارا ہی دین ہے جو اہل دین میں جیسا کہ پیغمبر اسلام نے چھوڑا تھا میں مل سکتا ہے۔ یہ ہمارا غریب دعوئے ہے جو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ چاہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے متفق فرمایا ہے کہ ہم نے ان سے اُٹارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہر دور اور زمانے میں ایسے افراد پیدا کرتا رہا جو یکے بعد دیگرے دین حق تقویٰ کرتے رہے اور حقیقتاً چاہیے پیغمبر کا حق ادا کرتے رہے۔ امر واقعہ ہے کہ یہ مسلسل کمی نہ ٹوٹا اور شیعہ سے شیعہ ملتی رہی اور اگر کوئی سلسلہ بند ہوا تو وہ صرف ثروت کا تھا۔ دین تاریخ شاہد ہے کہ بوستان اسلام میں خدشاں نے بھی وہ پھول پیدا کئے جنکی مثال ہمارے پیش پر کثرت ہو۔ مسند نشینان رسول سیرت۔ اخلاق۔ تقویٰ۔ تزکیہ اور جاہد میں اصحاب کلام کا نمونہ پیش کرتے رہے۔ کوئی دوسری قوم ایسی کبھی نہیں پیش نہیں کر سکی۔ اس مقدس گروہ میں اگرچہ سلاطین ناپید نہیں ہیں۔ اور صلاح الدین ایوبی۔ سلطان محمد فاتح اور گزیب عالمگیر جیسے فرزانہ اسی سلسلہ میں منسلک ہیں۔ لیکن زیادہ تر علمائے ربانی اور صدقائے ستانی ہی اس فریضہ جلیلہ کو نبھاتے رہے۔ علماء کا کام تھا کہ عوام کو ظاہری علوم سے روشناس کرائیں اور صدقیا کا کام یہ تھا کہ خود عملی نمونہ بن کر انہیں دعوت تقیہ دیں اور جو سلاطین اس مسلک پر چلے۔ انھوں نے مسلمانوں کے حق مردہ میں روح جاد پھونکی۔ نہ صرف وہ صاحب جاد تھے۔ بلکہ اہل اجتہاد بھی۔ بعض نے پھر خلافت راشدہ کا سماں آنکھوں سے پھیر دیا۔ بعض غازی کہلائے اور بعض اس راہ میں شہادت پاکر ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید ہو گئے۔

حکایات الصالحین

امام ولی اللہ دہلوی

حالات اور علمی کارنامے

(۳)

از جناب مولوی محمد مقبول عابدی اے لکھنؤ

علمی کارنامے

فلسفہ حیات :- امام ولی اللہ دہلوی نے انسانی زندگی کے فلسفے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ ارتقاقات - یعنی انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی کا بیان ۲۔ افتراہات یعنی انسان اور خدا کے درمیان تعلق کا بیان۔

امام صاحب نے ان دونوں باتوں پر اپنی نادر اور سلیف تصانیف الخیر المکتوب اور البدو البائسہ میں بحث کی ہے۔ بلکہ حجتہ اللہ علیہ کا حصہ اول بھی انہی بحثوں پر مشتمل ہے۔ تفہیمات الہیہ درہرہ جلد ۱ میں جا بجا یہ مباحث آتے ہیں۔ یہ کتابیں نہایت غور سے پڑھنے کے قابل ہیں

فلسفہ کائنات :- کائنات ایک بہت بڑی چیز ہے۔ اس میں کوئی بے قاعدگی نظر نہیں آتی اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ خدا نے اسے یونہی پیدا نہیں کر رکھا۔ ضرور اس کا کوئی مقصد ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات پیدا کس طرح ہوئی ہے؟ ان سب باتوں پر امام صاحب نے بہت گہری نظر ڈالی ہے۔ یہ ان کا فلسفہ کائنات ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی تجلیاں کام کر رہی ہیں جو اس کائنات کو چلا رہی ہیں۔ بڑی کائنات کا مادہ سے بنا ہوا حصہ ہو یا غیر مادی حصہ ہو سب کا سیدھا تعلق اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہے۔ کیونکہ ہر ایک چیز کے وجود کا ایک ایک ذرہ اُسی کا دیا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں امام صاحب نے جو فلسفیانہ بحثیں کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ یورپ کے چوٹی کے سائنسدان جنہوں نے ان مشکلوں پر اچھی طرح سوچ بچار کی ہے۔ خوب سمجھ سکتے ہیں۔ خود ان سائنسدانوں نے اس بارے میں جو گونجائشیں کی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان کا رخ بھی اسی طرف کو ہے۔

جس طرف امام صاحب جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے خیال میں اگر امام صاحب کی باتیں پاکستان کے سائنسدان سمجھنے کی کوشش کریں اور وہ یورپ کی زبانوں میں ترجمہ کر کے بھی شائع کی جائیں تو علمی دنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب

آ جائے اور دنیا کے سائنسدان اور حکماء ان سے فائدہ اٹھا کر علم کی حدیں بہت آگے بڑھالے جائیں۔ اسی طرح برہنہ ہندو پاکستان کے اندر یورپی طرز پر سوچنے والوں کے لئے یہ کتابیں بہت بڑی نعمت ہیں۔ بلکہ خود اس بڑے عظیم کے بڑے بڑے فلسفیوں نے جو باتیں پیدا کی ہیں امام صاحب ان سب سے آگے ہیں۔

فلسفہ آخرت :- امام صاحب نے انسانی زندگی کو کائنات کی ساری سلیم کا ایک بڑا جزو ثابت کیا ہے اور دکھایا ہے کہ انسانی زندگی ایک وحدانی چیز ہے۔ یعنی اس دنیا کی زندگی اور مرنے کے بعد کی زندگی دو الگ الگ زندگیاں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ چارے عمل جس طرح اس دنیا کی زندگی میں پیل لاتے ہیں اسی طرح مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی نتیجے پیدا کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قریب اس دنیا میں تباہ ہوتی ہیں۔ وہ یونہی بے قاعدہ طور پر تباہ نہیں ہو جائیں۔ بلکہ ان کی تباہی نتیجہ ہوتی ہے۔ ان قری اور اجتماعی غلطیوں کا جو وہ صدیوں میں جمع کرتی رہتی ہیں۔ ایک سوایٹی جنگی جلی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعض لوگ ظلم شروع کر دیتے ہیں۔ اب اگر وہ سرے لوگ ظلم کو دور کرتے رہیں تو خیر نہیں تو وہ ظلم چھینے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ہوتا ہے کہ ظالم طبقہ روپیہ جمع کرنے کے لالچ میں سو سائٹی کی پیداوار کے تمام ذریعوں پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اس سوایٹی میں انقلاب آ جاتا ہے۔ گویا انقلابات اتفاقی نہیں ہوتے۔ اسی طرح مرنے کے بعد کی زندگی بھی نتیجہ ہوتی ہے۔ انہی عملوں کا دہاں کی غلطیوں اور آرم بھی اتفاقی طور پر نہیں ل جائیگے۔ خدا کے کارخانے میں لوٹ نہیں بھی ہوئی کہ حقدار عوام رو جائیں اور ظالم آگے بڑھ کر سب کچھ لوٹ لے جائیں۔ دہاں انصاف ہے اور عدل ہے طرہاری اور ظلم نہیں۔

اخلاقی تصورات :- امام صاحب نے کائنات کا جو تصور پیش کیا ہے۔ اس میں انسانیت کا جو مقام بنایا ہے اور اس کا جو مستقبل مبین کیا ہے۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان کا تصوف ہی عام تصوف نہ ہوتا جو انسان کو عملی زندگی سے الگ کر کے خانقاہ میں بند کر دیتا ہے وہ تصوف کو تصوف کہنا زیادہ پسند نہیں کرتے بلکہ اسے احسان کہتے ہیں۔ یہ وہ حالت ہے جس میں انسان بعض کام تو اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ خدا کو سامنے دیکھ رہا ہے اور بعض کام اس یقین کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ مجھے ضرور دیکھ رہا ہے۔ امام صاحب نے احسان کو ایسے اخلاقی پیدا کرنے کا ذریعہ بتایا ہے جو انسانیت کی فطری ترقی کے لئے ضروری اور لازم ہیں۔ ان حلقوں میں عدالت مرکزی نقطہ ہے۔ اس خلق کی مشق سوسائٹی میں عداوت نظام قائم کر کے ہی ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے غلط اور ظالمانہ نظام کو جبر سے برباد کرنا ضروری ہے۔ اس طرح وہ احسان (تصوف) کو انقلاب سے ملا دیتے ہیں۔

امام صاحب تصوف کو افراد کی تربیت کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں اور تربیت کے دوران میں عدم تشدد کی پابندی لازم ہوگی۔ یہ چیز انہوں نے نظام کلی سے اخذ کی ہے۔ اس طرح سیاست میں تصوف کو بلند درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص حکومت کے سارے کام چلانے کے لئے افراد کی تربیت۔ عدم تشدد کی پابندی میں پہلے مکمل نہیں کر لیتا۔ وہ لڑ کر کوئی نیا نظام حکومت پیدا نہیں کر سکتا۔ لڑکر پچھلی حکومت کو توڑ سکتا ہے۔ مگر اسکی جگہ نیا نظام قائم کرنے کے لئے اس کو آدمی تیار نہیں آتیں گے۔ پس تصوف کی جو تشریح امام صاحب نے کی ہے وہ قرآن اور سنت ہی کا پتھر ہے۔ اس سے ایک طرف تو آریائی فلسفیوں کو شہرت کا قائل کیا جاسکتا ہے اور دوسری طرف یورپ کے سائنسدانوں اور انقلابیوں کو مطمئن کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات کسی اور فلسفی کی حکمت کے ذریعے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کی تنظیم و انتظام میں اس حکمت کو بنیاد بنایا جائے

اخلاق اور معاشیات کا تعلق :- امام صاحب سے پہلے اظہاروں سے لے کر جلال الدین دہلوی تک کائنات اور ملی سے لے کر موجودہ زمانے کے فلسفیوں تک اس بات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ انسان کے اخلاق کیا اور کیسے بننے چاہئیں۔ لیکن ان میں کوئی ایک حکیم بھی انفرادیت سے اونچا نہیں اٹھا۔ سب نے اخلاق پر اس طرح بحث کی ہے کہ ان کا تعلق ایک انسان کے ساتھ اور سوسائٹی کے ساتھ انہیں کوئی ربط نہیں دیا۔ امام ولی اللہ پہلے فلسفی ہیں جنہوں نے اخلاق کا تعلق انسانی اجتماعیت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ اجتماعی معاشیات کا اجتماعی اخلاق پر کس قدر اثر پڑتا ہے اور اجتماعی اقتصادی نظام کے بگڑ جانے سے انسان کے اجتماعی اخلاق کس طرح بگڑ جاتے ہیں اس پر آپ نے اپنی کتاب

حجۃ اللہ العالیہ اور برادر باطنی و بیرونی بہت ہی پچھلے جہلیوں کی ہیں۔ اس اجتماعیت کے زمانے میں امام صاحب ہی ایک فلسفی ہیں۔ جن کی اجتماعیت کو مانا جا سکتا ہے۔

عملی کارنامے امام ولی اللہ دہلوی اپنے والد کی وفات کے بعد

۱۱۰۰ھ میں مسند تدریس پر بیٹھے اور بارہ برس بڑھانے میں صرف کئے۔ وہ اس کے ساتھ دہلی کی سوسائٹی کا بھی مطالعہ کرتے رہے۔ اس زمانے کی دہلی میں ایک طرف خرابی پیدا ہو گئی تھی تو اس کے ساتھ ہی ملک ایک غریبی بھی باقی تھی۔ طبقہ امراء میں آصفیہ جیسا فرمانہ اور طبقہ صوفیاء میں مرزا محمد منظر جہانپناں اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ شہر میں مختلف کتب خانے اور باکمالی اساتذہ موجود تھے۔

گویا ایک مفکر کے لئے کافی وسیع میدان موجود تھا امام ولی اللہ دہلوی نے اپنے اس بارہ برس کے مطالعے میں اصلاحی پروگرام کے وہ اصول معین کئے (۱) عملی اصلاح کیلئے قرآن عظیم کی حکمت عملی کو اس کے معجزہ ثابت کرنے کا عنوان بنایا (۲) ملک ملت کے تمام عملی اور اخلاقی مفاسد کا باعث اقتصادی عدم توازن کو قرار دیا وہ اپنے فکر کو مدلل کر کے قوم میں شائع کرنا چاہتے تھے

اس لئے جس قدر علم حدیث کی ضرورت انہیں محسوس ہوئی وہ دہلی میں حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسکی تکمیل کے لئے انہوں نے ۱۱۰۰ھ میں سفر حجاز اختیار کیا اور کابل اساتذہ کی صحبت اور اعلیٰ علمی کتابوں کے مطالعہ سے فوٹل

میں انہوں نے حدیث و فقہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کر لیا جو سنجیدہ انقلاب کے لئے ضروری تھا۔ اس کے ساتھ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے استفادہ کیا اور اس طرح جو فلسفی سیاسی اور اجتماعی فوائد حاصل کئے انہیں فیوض الحریین میں سجھ کر دیا۔ جب انکی قوت عملی مرتبہ کمال پر پہنچ گئی تو جو کچھ انہیں مستقبل میں پیش آنے والا تھا اسے انہوں نے خراب میں دیکھ لیا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۱۰۰ھ میں ۱۱۰۰ھ کو جب ان کی عمر ۲۸ برس کی تھی مکہ معظمہ میں ایک الہامی خواب دیکھا۔ جس میں انہیں اس زمانے کا نظام قائم کرنے کے لئے ایک واسطہ بنایا گیا اور کافروں کا سردار بر اجیر جیسے شہر پر قابض ہو گیا تھا اور جس نے کفر کے خصوصی احکام ہماری کمرائے تھے مارا گیا اور اللہ کی رضا یہ بتائی گئی کہ تمام بوسیدہ نظاموں کو توڑ دیا جائے اور انکی جگہ نیا نظام قائم کیا جائے۔ اس خواب سے انکی انقلابی امامت کا آغاز ہوا۔ اور اس تاریخ سے

حزب ولی اللہ کی بنیاد پڑی۔ اس خواب کی تعبیر میں خدا کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرہٹوں کی بڑی ہوئی قوت کی شکست کا اشارہ ہے اور امام صاحب ایک طرح پر اس کے سرانجام دینے کا واسطہ ہیں۔ اجیر کا ذکر اس لئے آتا ہے کہ دہلی کا روحانی مرکز اجیر تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ اجیر میں تشریف لائے اور یہیں سے اشاعت اسلام

کا کام شروع کیا۔ جس کے نتیجے میں دہلی فتح ہوئی۔ اس خواب کے دو سال بعد ۱۱۰۲ھ میں باجی رائے شانی ہند بدھ حملہ آور ہوا۔ اور ۱۱۰۴ھ میں نادر شاہ کی بیخار سے تمام سابقہ انتظامات کمزور ہونا شروع ہوئے۔ نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اس سلسلہ کو جاری رکھا جس میں مسلمانوں کی غارتگری اور ان کے نظام سلطنت کی بوسیدگی ظاہر کرنے کے واسطہ کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ مگر اسی اوجوشہ نے ۱۱۰۴ھ میں پانی پت بدھ مرہٹوں کا غارتہ کر دیا غرض امام صاحب نے الہامی خواب میں جو تفصیلات دیکھیں۔ وہ تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں صرف بحوث پروری ہو کر رہیں۔ امام صاحب اللہ تعالیٰ کے ارادے کو پورا کرنے کے واسطہ کیسے بنے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے ملی امراء کو خطوط لکھ کر صورت حال سے خبردار کیا۔ چنانچہ حال ہی میں جناب خلیفہ احمد صاحب نظامی ایم اے۔ ایل ایل بی لیچورڈ شہید تاریخ مسلم پرنسپل علی گڑھ کی کوشش سے امام صاحب کے مکتوبات کا ایک مختصر سا مجموعہ جس میں صرف سیاسی نوعیت کے خطوط ہیں۔ شائع ہوا ہے۔ اس میں آٹھ خطوط نجیب الدولہ رومیلہ کے نام ہیں۔ تین خطوط وزیر الممالک آصفیہ کے نام ہیں۔ ایک خط تاج محمد خاں بلوچ نواب مجددہ بہادر اور عبداللہ خاں کشمیری کے نام ہیں۔

ان سب میں مرہٹوں اور جاٹوں کے خلاف دعوت جہاد دی گئی ہے۔ نجیب الدولہ امام صاحب کا مرید خاص تھا۔ اس کے بعد ایک طویل خط افغانستان کے خود مختار حاکم احمد شاہ ابدالی کو لکھا۔ اس میں بھی مرہٹوں اور جاٹوں کا ذکر کیا اور پھر اسے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ امام صاحب کی یہ دعوت محض اس لئے نہ تھی کہ صرف مسلمان مرہٹوں کے ظلم و ستم سے نجات پالیں اور نہ وہ دہلی کے امپریلزم کو زندہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کے سامنے عدل قائم کرنا ایک عظیم الشان انقلابی پروگرام تھا۔ جسے وہ دہلی کے مرکز سے چلانا چاہتے تھے اور اسی کی خاطر دہلی کو بچانا ضروری سمجھتے تھے۔ غرض دہلی کے

اس نامور فلسفی کی کوششوں سے ہند کی تمام ترقی کن طاقتیں۔ احمد شاہ ابدالی۔ نجیب الدولہ۔ شجاع الدولہ وغیرہ جمع ہو گئیں اور یکم نومبر ۱۱۰۴ھ کو یہ سب مرہٹوں کے مقابلے کے لئے پانی پت کے میدان میں صف بکرا ہوئیں۔ اڑھائی ماہ کے قریب فریقین لڑتے رہے

آخر ۱۴ جنوری ۱۱۰۵ھ کو مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ بشواس رائے پسر بالاجی جسے شہنشاہ ہند بنانے کے منصوبے باندھے جا رہے تھے۔ قتل ہو گیا اور دوسرے مرہٹے سردار بھی مارے گئے اور اس طرح پانی پت کی تیسری لڑائی سے امام صاحب کے فکر کے لئے آگے بڑھنے کا راستہ صاف ہو گیا۔

محرکہ پانی پت ان کے پروگرام کا ایک حصہ تھا۔ جسے انہوں نے دہلی کی حکومت کے اشتراک سے مکمل کر لیا یہ واقعہ امام صاحب کے مذکورہ بالا نصاب کی تعبیر تھی۔ امام صاحب نے اپنے فکر کی اشاعت اور اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے ان کی شاخیں اطراف ملک میں قائم کیں۔ بنجیہ کا مدرسہ اور دائرہ مشاء علم اللہ لائے بریلی ان کی انقلابی تحریک کے مرکز تھے۔ سندھ میں علامہ معین کا مدرسہ ٹھٹھہ ان کا ایسا مرکز تھا۔ جس سے مشہور عارف مشاء عبداللطیف بھٹائی بھی خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح انہوں نے اہل فکر کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی کہ پانی پت کی جو عوام کے اپنے طبقے کے ساتھ رابطہ پیدا کرے اور اس کے لئے احسان و تصوف کو ذریعہ بنائے اور قرآن حکیم کی تعلیم انہیں ان کی زبان میں سمجھائے۔ یہ دیگر درجے کا انقلاب تھا۔ لیکن انہوں نے اپنے زمانے کی حالت کے مطابق اس کی ضرورت سمجھی۔

محرکہ پانی پت سے دو سال کے بعد ۱۱۰۶ھ میں حضرت امام نے وفات پائی اور ان کے فرزند امام عبدالعزیز کو حزب ولی اللہ کا رہنما چنا گیا آپ نے ان علوم کو جن سے امام ولی اللہ نے اعلیٰ طبقے کو متعارف کرایا تھا متوسط طبقے کی پیدائشی کے لئے استعمال کیا اور ساتھ برس ملک دہلی میں درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح انہوں نے ہند میں امام ولی اللہ کے اصول پر قومی حرکت پیدا کرنے کے فکر کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ آپ نے ایک عمارت جماعت تیار کی۔ جس کا امیر سید احمد بریلوی کو بنایا اور ان کے ساتھ اپنے داماد مولانا عبدالحی اور اپنے بیٹے مولانا محمد امجد علی کو مشیر بنایا۔ تبلیغی امور کا صدر اپنے نواسے مولانا محمد اسحق کو بنایا اور مولانا محمد یعقوب مولانا رشید الدین اور مفتی صدر الدین کو ان کا مشیر بنایا۔ امام عبدالعزیز کے بعد مولانا محمد اسحق کو رہنما چنا گیا۔ اور حزب ولی اللہ کی امامت ان کے سپرد ہوئی۔ اب اس تحریک نے عملی جہاد میں قدم رکھا اور سرحدی صوبے کا علاقہ فتح کر کے حکومت قائم کی۔ جس کا نظام خلافت راشدہ کی طرز پر چلایا۔ اس کے امیر سید احمد بریلوی بنے۔ آخر بالا کوٹ کے مقام پر سکھوں سے لڑائی ہوئی اور حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا محمد امجد علی نے شہادت پائی۔ یہ حادثہ ۱۲ محرم ۱۱۰۵ھ کو پیش آیا۔

جب امام ولی اللہ دہلوی کی تحریک پر پورا سو برس گزر چکا تھا۔ امام صاحب نے ۱۵۰۰ھ میں ۱۱۰۰ھ کو کام شروع کیا تھا اور صدی کے آخر میں ان کے بے شمار پیروں نے ان کے رفقاء نے شہید ہو کر تحریک کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

جسے انہوں نے دہلی کی حکومت کے اشتراک سے مکمل کر لیا یہ واقعہ امام صاحب کے مذکورہ بالا نصاب کی تعبیر تھی۔ امام صاحب نے اپنے فکر کی اشاعت اور اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے ان کی شاخیں اطراف ملک میں قائم کیں۔ بنجیہ کا مدرسہ اور دائرہ مشاء علم اللہ لائے بریلی ان کی انقلابی تحریک کے مرکز تھے۔ سندھ میں علامہ معین کا مدرسہ ٹھٹھہ ان کا ایسا مرکز تھا۔ جس سے مشہور عارف مشاء عبداللطیف بھٹائی بھی خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح انہوں نے اہل فکر کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی کہ پانی پت کی جو عوام کے اپنے طبقے کے ساتھ رابطہ پیدا کرے اور اس کے لئے احسان و تصوف کو ذریعہ بنائے اور قرآن حکیم کی تعلیم انہیں ان کی زبان میں سمجھائے۔ یہ دیگر درجے کا انقلاب تھا۔ لیکن انہوں نے اپنے زمانے کی حالت کے مطابق اس کی ضرورت سمجھی۔

محرکہ پانی پت سے دو سال کے بعد ۱۱۰۶ھ میں حضرت امام نے وفات پائی اور ان کے فرزند امام عبدالعزیز کو حزب ولی اللہ کا رہنما چنا گیا آپ نے ان علوم کو جن سے امام ولی اللہ نے اعلیٰ طبقے کو متعارف کرایا تھا متوسط طبقے کی پیدائشی کے لئے استعمال کیا اور ساتھ برس ملک دہلی میں درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح انہوں نے ہند میں امام ولی اللہ کے اصول پر قومی حرکت پیدا کرنے کے فکر کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ آپ نے ایک عمارت جماعت تیار کی۔ جس کا امیر سید احمد بریلوی کو بنایا اور ان کے ساتھ اپنے داماد مولانا عبدالحی اور اپنے بیٹے مولانا محمد امجد علی کو مشیر بنایا۔ تبلیغی امور کا صدر اپنے نواسے مولانا محمد اسحق کو بنایا اور مولانا محمد یعقوب مولانا رشید الدین اور مفتی صدر الدین کو ان کا مشیر بنایا۔ امام عبدالعزیز کے بعد مولانا محمد اسحق کو رہنما چنا گیا۔ اور حزب ولی اللہ کی امامت ان کے سپرد ہوئی۔ اب اس تحریک نے عملی جہاد میں قدم رکھا اور سرحدی صوبے کا علاقہ فتح کر کے حکومت قائم کی۔ جس کا نظام خلافت راشدہ کی طرز پر چلایا۔ اس کے امیر سید احمد بریلوی بنے۔ آخر بالا کوٹ کے مقام پر سکھوں سے لڑائی ہوئی اور حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا محمد امجد علی نے شہادت پائی۔ یہ حادثہ ۱۲ محرم ۱۱۰۵ھ کو پیش آیا۔

جب امام ولی اللہ دہلوی کی تحریک پر پورا سو برس گزر چکا تھا۔ امام صاحب نے ۱۵۰۰ھ میں ۱۱۰۰ھ کو کام شروع کیا تھا اور صدی کے آخر میں ان کے بے شمار پیروں نے ان کے رفقاء نے شہید ہو کر تحریک کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

محرکہ پانی پت سے دو سال کے بعد ۱۱۰۶ھ میں حضرت امام نے وفات پائی اور ان کے فرزند امام عبدالعزیز کو حزب ولی اللہ کا رہنما چنا گیا آپ نے ان علوم کو جن سے امام ولی اللہ نے اعلیٰ طبقے کو متعارف کرایا تھا متوسط طبقے کی پیدائشی کے لئے استعمال کیا اور ساتھ برس ملک دہلی میں درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح انہوں نے ہند میں امام ولی اللہ کے اصول پر قومی حرکت پیدا کرنے کے فکر کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ آپ نے ایک عمارت جماعت تیار کی۔ جس کا امیر سید احمد بریلوی کو بنایا اور ان کے ساتھ اپنے داماد مولانا عبدالحی اور اپنے بیٹے مولانا محمد امجد علی کو مشیر بنایا۔ تبلیغی امور کا صدر اپنے نواسے مولانا محمد اسحق کو بنایا اور مولانا محمد یعقوب مولانا رشید الدین اور مفتی صدر الدین کو ان کا مشیر بنایا۔ امام عبدالعزیز کے بعد مولانا محمد اسحق کو رہنما چنا گیا۔ اور حزب ولی اللہ کی امامت ان کے سپرد ہوئی۔ اب اس تحریک نے عملی جہاد میں قدم رکھا اور سرحدی صوبے کا علاقہ فتح کر کے حکومت قائم کی۔ جس کا نظام خلافت راشدہ کی طرز پر چلایا۔ اس کے امیر سید احمد بریلوی بنے۔ آخر بالا کوٹ کے مقام پر سکھوں سے لڑائی ہوئی اور حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا محمد امجد علی نے شہادت پائی۔ یہ حادثہ ۱۲ محرم ۱۱۰۵ھ کو پیش آیا۔

جب امام ولی اللہ دہلوی کی تحریک پر پورا سو برس گزر چکا تھا۔ امام صاحب نے ۱۵۰۰ھ میں ۱۱۰۰ھ کو کام شروع کیا تھا اور صدی کے آخر میں ان کے بے شمار پیروں نے ان کے رفقاء نے شہید ہو کر تحریک کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

محرکہ پانی پت سے دو سال کے بعد ۱۱۰۶ھ میں حضرت امام نے وفات پائی اور ان کے فرزند امام عبدالعزیز کو حزب ولی اللہ کا رہنما چنا گیا آپ نے ان علوم کو جن سے امام ولی اللہ نے اعلیٰ طبقے کو متعارف کرایا تھا متوسط طبقے کی پیدائشی کے لئے استعمال کیا اور ساتھ برس ملک دہلی میں درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح انہوں نے ہند میں امام ولی اللہ کے اصول پر قومی حرکت پیدا کرنے کے فکر کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ آپ نے ایک عمارت جماعت تیار کی۔ جس کا امیر سید احمد بریلوی بنے۔ آخر بالا کوٹ کے مقام پر سکھوں سے لڑائی ہوئی اور حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا محمد امجد علی نے شہادت پائی۔ یہ حادثہ ۱۲ محرم ۱۱۰۵ھ کو پیش آیا۔

جب امام ولی اللہ دہلوی کی تحریک پر پورا سو برس گزر چکا تھا۔ امام صاحب نے ۱۵۰۰ھ میں ۱۱۰۰ھ کو کام شروع کیا تھا اور صدی کے آخر میں ان کے بے شمار پیروں نے ان کے رفقاء نے شہید ہو کر تحریک کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

محرکہ پانی پت سے دو سال کے بعد ۱۱۰۶ھ میں حضرت امام نے وفات پائی اور ان کے فرزند امام عبدالعزیز کو حزب ولی اللہ کا رہنما چنا گیا آپ نے ان علوم کو جن سے امام ولی اللہ نے اعلیٰ طبقے کو متعارف کرایا تھا متوسط طبقے کی پیدائشی کے لئے استعمال کیا اور ساتھ برس ملک دہلی میں درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح انہوں نے ہند میں امام ولی اللہ کے اصول پر قومی حرکت پیدا کرنے کے فکر کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ آپ نے ایک عمارت جماعت تیار کی۔ جس کا امیر سید احمد بریلوی بنے۔ آخر بالا کوٹ کے مقام پر سکھوں سے لڑائی ہوئی اور حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا محمد امجد علی نے شہادت پائی۔ یہ حادثہ ۱۲ محرم ۱۱۰۵ھ کو پیش آیا۔

مجلس مرکزہ اشاعت قرآن کریم

مجلس مرکزہ اشاعت قرآن کریم "انجمن خدام الدین" شیرنوالہ دروازہ لاہور کا ایک شعبہ ہے۔ اس شعبہ کے اغراض و مقاصد انشاء اللہ العزیز ہم آئندہ کسی اشاعت میں مدیہ ناظرین کریں گے۔ آج کی صحبت میں ہم دورہ تفسیر کے متعلق مختصر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ "انجمن خدام الدین" کی طرف سے مدارس دینیہ کے فارغ التحصیل علماء کے لئے دورہ تفسیر کا انتظام عرصہ تقریباً بیس سال سے موجود ہے۔ تقسیم سے پہلے سو علماء داخل کئے جاتے تھے۔ اب ان کی تعداد ۳۵ اور ۵۰ کے درمیان ہوتی ہے۔ شعبان کے آخر میں داخلہ ہوتا ہے۔ یکم رمضان سے باقاعدہ دورہ تفسیر شروع ہو جاتا ہے۔ روزانہ صبح آٹھ بجے سے ۱۷ بجے تک سنتی ہوتا ہے۔ جمعہ کے روز تعطیل ہوتی ہے۔ خلیفہ خدا کے آخر تک دورہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر تحریری امتحان ہوتا ہے اور کامیاب ہونے والوں کو انجمن کی طرف سے سند عطا کی جاتی ہے۔ نماز عید الاضحیٰ علمائے کرام اپنے اپنے گھر ادا کرتے ہیں۔ اس مہینہ ماہ کے قیام لاہور کے عرصہ میں انجمن انکے قیام و طعام۔ صابن۔ تیل۔ کاغذ۔ سیاہی اور پوسل کا خرچ خود برداشت کرتی ہے۔ یہ سب اپنی نوعیت کی نادر چیز ہے۔ کیونکہ ان پر ان حضرات کے دستخط ثبت ہیں جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ مثلاً حضرت مولانا سید انور رضا صاحب کشمیری اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی استاذ کے فرائض حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی تن تنہا انجام دیتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت ملی اور عمر دوازہ عطا فرمائیں تاکہ یہ فیض دیر تک تشنگان حق کے لئے جاری رہے۔ آمین

امسال علمائے کرام کی کل تعداد ۴۱ تھی۔ ان میں سے ۳۵ نے امتحان میں شرکت فرمائی۔ ۳۳ کامیاب اور ۲ ناکام رہے۔ کامیاب ہونے والے حضرات کے اسمائے گرامی مع ولایت درج ذیل ہیں۔ نتیجہ کا اعلان کرتے وقت حضرت مولانا نے ان حضرات سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دورہ تفسیر میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سے فارغ ہونیکے بعد اب آپ کے ذمہ اس فرمانِ شامی کی اشاعت کا فرض عائد ہوتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو اس فرض سے سبکدوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے اس کے بعد ان حضرات کو شعبہ کی جانب سے طبع شدہ جوابی پوسٹ کارڈ تقسیم کئے گئے اور ان سے عرض کیا گیا کہ واپسی پر جب درس قرآن حکیم شروع کریں تو جوابی پوسٹ کارڈ پر جو سوالات چھپے ہوئے ہیں۔ ان کا جواب لکھ کر دفتر انجمن میں بھجوا دیں۔

نمبر شمار	تاریخ داخلہ	اسم گرامی مع ولایت	کل نمبر	نمبر شمار	تاریخ داخلہ	اسم گرامی مع ولایت	کل نمبر
۱	۲۹ شعبان	مولوی عبدالغفور صاحب ولد مولوی اللہ دتہ صاحب	۱۰۰	۱۸	۲۸ شعبان	مولوی محمد یعقوب صاحب ولد عبداللہ جان صاحب	۸۰
۲	۲۸	محمد رفیق " ولد محمد صادق "	۱۰۰	۱۹	یکم رمضان	میر احمد " ولد ثابت شاہ "	۸۰
۳	۲۸	حافظ باغ علی " ولد بہادر خاں "	۱۰۰	۲۰	۲۸ شعبان	محمد طاہر " ولد حافظ مطیع اللہ "	۸۰
۴	۲۸	مولوی محمد فاضل " ولد محمد شریف "	۱۰۰	۲۱	یکم رمضان	علی محمد " ولد فتح خاں "	۷۸
۵	۲۹	عبدالستار " ولد مولوی شیر محمد "	۱۰۰	۲۲	۲۹ شعبان	اللہ بخش " ولد حاجی محمد بخش "	۷۲
۶	یکم رمضان	علی مراد " ولد اللہ بچا یا "	۱۰۰	۲۳	یکم رمضان	فضل جیل " ولد فضل خانق " "	۶۳
۷	۲۸ شعبان	حافظ غلام سرور " ولد پریم خاں "	۱۰۰	۲۴	۲۸ شعبان	محمد عبدالرحمن " ولد سید امان "	۶۲
۸	" "	رحمت " ولد تقی اللہ "	۱۰۰	۲۵	یکم رمضان	محمد اسحق " ولد علی سید "	۶۲
۹	" "	عبدالرحیم صاحب صدیقی " ولد مولوی عبدالحمید "	۹۸	۲۶	۲۹ شعبان	الہی بخش " ولد احمد دین "	۵۸
۱۰	یکم رمضان	نور محمد صاحب " ولد حکم الدین "	۹۸	۲۷	" "	عبدالرحیم " ولد علی محمد "	۵۶
۱۱	۲۹ شعبان	مبین الدین " ولد مولوی عبد الدین "	۹۷	۲۸	" "	عبدالشکور " ولد محمد ولی "	۵۵
۱۲	" "	شائق احمد " ولد عبدالشکور "	۹۲	۲۹	" "	عبدالرحیم " ولد قاضی عبدالحمید "	۵۱
۱۳	" "	بھرا العلوم " ولد رحیم اللہ "	۹۲	۳۰	یکم رمضان	سندرخاں " ولد عبدالغنی "	۵۰
۱۴	۲۸	حافظ وحید اللہ " ولد حاجی فیض اللہ "	۹۱	۳۱	۲۸ شعبان	سید محمد " ولد غلام حسین "	۵۰
۱۵	" "	عباس خاں " ولد بانو گل "	۸۴	۳۲	" "	عبدالرحمن صاحب ہزاروی " "	۴۰
۱۶	یکم رمضان	سید عبدالرحمن " ولد خلیل الرحمن "	۸۰	۳۳	یکم رمضان	فیض الرحمن صاحب ولد عبدالبربان صاحب "	۴۰
۱۷	۲۹ شعبان	غلام رسول " ولد مولوی کریم الدین "	۸۰				

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخر زندگی کے چند واقعات

(انجیل کے خوشید احمد حبیب روف ایم اے اُسٹاڈ اذیت کچی دہلی یوسیٹ)

طبری کا بیان

ایک دن صلحہ میں حضرت عمرؓ بازار کا گشت
کے رہے تھے۔ کہ میسر بن شعبہ کا نصرانی غلام ابو لؤلؤ ان کے
طاہر کہنے لگا، ابو ابراہیم بنی مجہ کو پناہ دیجئے۔ میسر
بن شعبہ نے میرے اوپر بھاری ٹلیس لگایا ہے۔

حضرت عمرؓ :- تمنا تیکس کتنا ہے ؟
ابن ابی لؤلؤ :- ہر روز دو دہم (تقریباً ۴۰۰) (عمر)
حضرت عمرؓ :- تم کیا کام کرتے ہو ؟

ابو لؤلؤ و بخار ہوں۔ فحاش ہوں۔ حاد (دو بار ہوں)
حضرت حمزہؓ۔ نب تو متا را ٹیکس زیادہ نہیں
ہے۔ میں نے سنا ہے تم کہتے ہو اگر میں چاہوں
تو ایسی چکی بنا سکتا ہوں جو ہوا سے چلے۔

ابولولہ - جی ہاں یہ صحیح ہے۔
حضرت علیؓ - اچھا تو میرے لیے ایک
ہوائی چکی بنا دو۔

ابولولو۔۔ اگر میں جینا رہا تو آپ کے لئے
ایسی جلی بنائوں گا۔ جس کا چہرہ چا مغرب سے
مغرب تک ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

حضرت عموؓ نے کہا اس غلام نے مجھ کو دھکی دیا ہے۔ پھر وہ بھی چلے گئے۔ دوسرے دن صبح کہ کعب الاحبار آئے اور کہنے لگے۔

امیر المومنین آپ کو جو عہد و وصیت کرنا ہے کہ کیجئے۔ کیونکہ آپ نین دن میں وفات پا جائیگی۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں یہ کیسے معلوم ہوا ؟
 کعب : ”خدا کی کتاب توراہ میں لکھا ہے۔“

حضرت عمرؓ کیا واقعی عمرؓ کا ذکر قصۃ میں ہے
کعب۔ نہیں اس میں آپ کا ذکر تو نہیں ایک
ایسے شخص کا ہے جن کی صدرات اور سیرت

آپ سے مشابہ ہے۔ آپ کا وقت آگیا ہے۔
حضرت عمرؓ کہ اس خبر سے نہ کوئی افسوس
ہوا نہ غم۔ دوسرے دن کعب پھر آئے اور کہا۔

”امیر المومنین ایک دن ختم ہو گیا۔ اب آپ کی زندگی کے صرف دو دن باقی ہیں۔“

اکلی صبح کو کعب پھر آئے اور کہا۔

”امیر المومنین دودن ختم ہوئے۔ اب ایک دن احد ایک رات باقی ہے۔“

گئے۔ انہوں نے صغیفیں درست کرنے پر کئی آدمی مامور کر رکھے تھے۔ جب صغیفیں سیدھی ہو گئیں وہ آئے اور ان کے لئے ہجیرہ لکھی۔ ہر لوگ ہاتھ میں دو دھارا سونچر لئے

نمازیوں کے درمیان تھا۔ حضرت عمرؓ نے جبیت باندھی تو اس نے پیاپے چھ واہ اُن پر کئے۔ ایک زخم انکی ناف کے نیچے لگا اور حملک ثابت ہوا۔ حضرت عمرؓ کے پیچھے کلب بن ابی بکیر نامی ایک شخص تھا اس کو بھی ہارلوٹو نے فحق کیا۔ حضرت عمرؓ گر رہے اور عبدالرحمن بن عث سے نماز پڑھوائی۔ جتنی دیر لوگوں نے نماز پڑھی۔

حضرت عمرؓ نہیں بہرہ پڑے رہے۔ نماز کے بعد ان کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوف کو بلا دیا اور کہا: ”میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں“

عبدالرحمن فرمائیے، مگر آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ خلافت محمد کو نہ سونپنے کا۔
حضرت عثمانؓ - ”ایسا نہیں ہے۔“

عبدالرحمن - خدا کی قسم میں کبھی خلافت کی ذمہ داری نہیں لوں گا۔

حضرت عمرؓ فرما متوجہ ہو کہ میری بات سنو۔
خلافت کا معاملہ ان لوگوں کے سپرد کرتا ہوں جن سے
مرنے وقت رسول اللہؐ خوش رہے۔ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ،

۱۔ بلاؤ اور غلامی کا (جو شہر سے باہر تھے) تین دن انتظار کرو۔ اگر اس اثناء میں وہ آجائیں، فہما، دہنہ خلیفہ شریف
 ۲۔ اے علی! تم کو خدا کی قسم، اگر کوئی عہد تمہیں مل

جائے تو بندہ ہاتھم کو لوگوں کی گردن پر سوار نہ کرنا
سے عثمان بن قثم کہ خدا کی قسم، اگر کوئی عہدہ میں مل
جائے تو رومیٹ کی اولاد کو لوگوں کی گردن پر سوار نہ کرنا

۷۔ سجدہ تم کو خدا کی قسم اگر کوئی عدد تم کو مل جائے
 نہ ہرگز نہ ہرگز اپنے عزیزوں کو لوگوں کی گردن پر سوار نہ
 نہ۔ جاؤ مشورہ کیلئے علیحدہ منتخب کرو۔ اس اثنا میں

سہیب لوگوں کی امامت کر دیں گے۔ اس کے بعد حضرت
 مولانا نے ابوظہبی انتظامی کو بلایا اور کہا۔ ”اصحاب
 خدائے جس گھر میں جمع ہیں اس کے دروازہ پر پیرہ دو۔“

رہی کہ انکے پاس نہ جائے۔ وہ۔ میں اپنے جانشین
 بیٹے کو وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ اچھا برتاؤ
 ہے۔ ان میں جو ملکدار ہیں انکو نوازے جو خطاکار ہیں

و صحاف کو سے خبروں ساتھ بھی اچھا سلوک ہے کیونکہ اسلام کا بنیاد
وقت پر منحصر ان میں جو نامدار ہوں۔ ان سے مذکورہ ملی جائے
ان میں جو نامدار ہوں ان پر تقسیم کی جائے۔ اپنے
نشر جانے کے لئے

سین حلیہ کو دیکھیں گے ساتھ حسن سلوک کی بھی
 یاد کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ جو عہد کیا گیا ہے
 اس کی پوری پابندی کی جائے۔ عہد اللہ (ابن عمر)

و معلوم کرو جسے جس سے مل گیا ہے
بد اللہ۔ امیر المومنین مغیرہ کے غلام ابو لؤلؤ سے
فضل سرزد ہو رہا ہے۔

حضرت عمرؓ - خدا کا شکر ہے کہ مجھے
ایسے شخص نے نہیں ملا۔ جس نے خدا کے ساتھ
کبھی سجدہ کیا ہو۔ عبداللہ عاصمؓ کے پاس سجدہ
اور ان سے درخواست کرو کہ مجھے رسول اللہؐ اور

ابوبکرؓ کے چہلو میں دفن ہونے کی اجازت دیں اور
دیکھو اگر اصحاب شہید ہی میں جھگڑا ہو تو اس پامنی کا
ساتھ دینا جو زیادہ ہو۔ اگر دونوں پارٹیاں برابر ہوں

تو اس پڑھنی کا ساتھ دینا جس میں عبدالرحمن بن عوف
ہوں۔ اب لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دے دو۔
جیسے جیسے چہاجر اور انصار داخل ہوتے اور سلام کرتے

حضرت عرض اہی سے کہتے کیا منتہی سے قنادن سے یہ
کام ہوا وہ کہتے معاذ اللہ ہم کو اس کا باطن
علم نہ تھا۔ لوگوں کے ساتھ کھب الاحبار بھی آئے

اور ان کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے دو لشکر بھیجے
شہر جوہر تین دن تک کب کب مجھ کو خطرہ سے ڈراتے
رہے۔ اور کعب کا کندا بالکل ٹھیک نکلا۔

اشتم کا بیان

حضرت عمرؓ جب حج کر چکے (اور یہ آٹھویں حج تھا) تو مصر کے ایک باشندے کے پاس گیا کہا: اے ابیہرثیہ میری فریاد سنتے اور عالم سے میرا نصیحت کر

حضرت سیدنا - کیا بات ہے ؟
 مصری - ایک دن محمد (صاحبزادہ عروین عباس
 گورنہ مصر) اور میں نے بازی لگا کر گھوڑ دوڑ کی

ان کے والد سے کی تو انہوں نے اٹا مجھے قید میں ڈال دیا اور چار ماہ کی سزا دی۔ جب صاحبوں کا قافلہ ج کے لئے روانہ ہوا۔ میں ان کے ساتھ گیا اور چاہتا ہوں کہ آپ اس ظلم کا انصاف کریں حضرت عمرؓ نے محمد اور عمرو بن عاص کو طلب کیا۔ اور مصری کی شکایت کا ان سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا مصری ہمارے بھڑا ہے۔ تب حضرت عمرؓ نے مصری سے گواہ مانگے۔ مصر کے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے مصری کے حق میں گواہی دی۔ حضرت عمرؓ نے مصری سے کہا۔ محمد کے کڑا مار کر اپنا حق لے لو مصری نے کڑا مار کر بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا۔ اب گننے کے لڑکے (یعنی عمرو بن عاص کو لاؤ) مصری۔ امیر المومنین عمرو نے مجھ کو مارا نہ تھا۔ قید کیا تھا حضرت عمرؓ۔ اگر کہو تو میں ان کو قید کر دیا اور اگر معاف کرنا چاہو تو تمہاری خوشی۔

مصری۔ امیر المومنین میں نے ان کو معاف کر دیا آپ بھی کہ دیجئے۔ عمرو بن عاص کو اس کارروائی پر سخت غصہ آیا اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ ”آپ نے میری بہت توہین کی ہے۔ آپ جب تک خلیفہ ہیں۔ میں آپ کا کوئی منصب نہیں رکھوں گا“

حضرت عمرؓ۔ تمہاری خوشی، جہاں چاہو جاؤ یہیں تم سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے تقریر کی اور کہا۔

صاحبو۔ جب سے میں خلیفہ ہوا ہوں۔ دین اسلام اور فرائض و سنن کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور جہانگیر مجھ سے ہو سکا آپ کو راہ راست پر چلانا رہا ہوں۔ خدا سے ڈریے اور اس کی نعمتوں کا شکر کیجئے۔ مجھے اس وقت یہ کہنا ہے کہ میں نادان ہو گیا ہوں۔ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں۔ میرا خیال ہے یہ میری آخری تقریر ہے۔ ایسے کام کیجئے جن سے خدا خوش رہے اور ہر کام کے وقت یقین رکھئے کہ خدا آپ کو دیکھ رہا ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ مدینہ لوٹ آئے۔ اس اثنا میں کوفہ کے گھڑ سوار بن شہد مدینہ آئے انکے ساتھ ان کا غلام فیروز تھا۔ جسکی کبیت ابولولہ تھی۔ اس کو کئی ہزار آتے تھے۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس آکر اس غلام نے کہا۔ ”ہاںک نے میرے اوپر سبک دیا“ اس نے غلام سے سو دھم دھم کیا پھر روپیہ لیتے ہیں۔ اور میں یہ رقم ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ ان سے کہہ کر ان میں کمی کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تم کیا کام جانتے ہو؟ فیروز نے کہا میں ہوائی چلی بنا سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ اس نے کئی اور ہنر بھی بتائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت منیرؓ کو بلایا اور کہا۔

اس غلام کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور اسکی طاقت سے زیادہ ٹیکس نہ لو۔ وہ غیر مسلم

سہی۔ مگر میرے پاس دو خرابی کے لئے آیا ہے اور میں اسکی سفارش کرتا ہوں۔

حضرت منیرؓ نے ٹیکس کم کرنے کا وعدہ کیا۔ مگر کئی تخفیف نہیں کی۔ فیروز پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اپنے مالک کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اتنے ہزاروں کی موجودگی میں جو تم کو کہتے ہیں۔ میں بھٹا ہوں تمہارا ٹیکس زیادہ نہیں ہے۔ ہم کو ایک چلی کی ضرورت ہے بیت المال کا غلہ پیسنے کے لئے اگر تم نے چلی بنا دی تو تم کو بہت انعام دوں گا۔ فیروز نے خشکی سے کہا۔ ”آپ کے لئے ایسی چلی بناؤں گا۔ جس کا شہرہ ساری دنیا میں ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ جانتے ہو کہ اس غلام نے کیا کہا۔ اس نے قتل کی دھمکی دی ہے۔ واللہ بالغ بامولا (جو خدا کو منظور ہے پورا ہوگا)

دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد حضرت عمرؓ نے تقریر کی۔ ”دوستو میری موت کا وقت قریب آگیا ہے رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرغا میرے پاس آیا اور دو یا تین بار میرے جسم پر چوچیں ماریں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرغا کوئی بھی ہے جو مجھے مارنا چاہتا ہے اور میرے دو یا تین زخم نکالے گا۔ اگرچہ حاو پیش آیا اور میرے ہوش و حواس بجا رہے تو میں ایسا خلیفہ منتخب کروں گا جو مجھ سے بہتر ہوگا اور اگر میں اس قابل نہ رہوں تو ان چھ آدمیوں میں سے جو ممتاز صحابہ ہیں اور جن سے رسول اللہ خوش تھے کسی ایک کو خلیفہ چن لینا۔ عثمانؓ علیؓ طلحہؓ زبیرؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمن بن عوفؓ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ منبر سے اتر آئے اور عبداللہ بن عباسؓ کا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور رونے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا میرا خیال ہے کہ موت کا وقت آگیا ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ آدمی کو بہر حال مرنہ ہے۔ لیکن اپنے بعد خلیفہ کی طرف سے مجھے فکر ہے۔ مجھ میں نہیں آتا کیا کروں ابن عباسؓ نے پوچھا علیؓ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ صاحبزادے ابوبکرؓ میں ہیں۔ رسول اللہؐ کے قریبی عزیز ہیں۔ ان کی خدمات لیاقت اور شجاعت کا حال آپ کو معلوم ہے۔

حضرت عمرؓ۔ علیؓ میں یہ سب باتیں ہیں مگر اس سے زیادہ صفات موجود ہیں اور اگر خلافت ان کے سپرد کر دی جائے تو وہ راہ راست پر لوگوں کو چلا بھی سکیں گے مگر انکی طبیعت میں ظرافت ہے اور وہ خلافت کے سخت خواہشمند ہیں اور جو شخص خلافت کا خواہشمند ہو۔ اس منصب کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابن عباسؓ۔ عثمانؓ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

حضرت عمرؓ۔ وہ خلافت کی لیاقت رکھتے ہیں۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ وہ خلیفہ ہو کر ابو مہیط کے غلامان

کو لوگوں پر مسلط کر دیں گے اور تمہارے ساتھ کچھ بد مزائیاں کریں گے اور تم ان کے ساتھ ابن عباسؓ۔ طلحہؓ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت عمرؓ۔ خدا نہ کرے کبھی وہ خلیفہ ہوں نہایت مغرور اور غرور پسند آدمی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ۔ زبیر بن عوام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت عمرؓ۔ وہ بہادر اور چست سوار ہیں مگر ان کے مزاج میں بغل ہے۔ ایک صانع گیہوں کا ایک تڈ بو کے لئے صبح سے شام تک بھتیج میں کھڑا رہتا اور لوگوں سے جھگڑتا اور بد زبانی کرنا ان کے لئے آسان ہے۔ خلافت کے لئے ایسا آدمی چاہیے جو فیاض منش ہو ایک وقت ایشادہ احسان کرے اور دوسرے وقت ضرورت کے لئے کچھ بچالے جو فیاضی و جزرہ میں حد سے تجاوز نہ کرے اور راہ اعتدال پر قائم رہے۔

حضرت ابن عباسؓ۔ آپ کی رائے سچے بارے میں کیا ہے؟

حضرت عمرؓ۔ سعد مرو میدان ہیں۔ فن جنگ میں ماہر۔ مگر اس کام کے لئے مناسب نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ۔ آپ کی رائے عبدالرحمن بن عوفؓ کے بارے میں کیا ہے؟

حضرت عمرؓ۔ نیک مرد ہیں۔ میرٹ بھی خوب ہے مگر کمزور ہیں۔ خلافت کے لئے ایسا آدمی چاہیے جو قوی ہو۔ مگر تشدد پسند نہ ہو۔ نرم ہو مگر کمزور نہ ہو آمد و خروج پر نظر رکھے مگر بغل نہ کرے۔ اے بھائی اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو خلافت کے لئے ان سے بہتر آدمی نہ تھا۔ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ معاذ ایسے امین ہیں کہ قیامت کے دن ان کے اور خدا کے درمیان سوائے پیغمبروں کے اور کوئی حائل نہ ہوگا اور اگر حدیبیہ کے آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتے تو خلافت ان کے سپرد کرتا کیونکہ رسول اللہؐ نے ان کے حق میں فرمایا تھا۔ سالم کو خدا اور صرف خدا کی خوشنودی محبوب ہے اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اگر ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتے تو وہ بھی اس کام کے لئے ہر طرح اہل تھے۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔

”ہر قوم کا ایک امین ہوا ہے اور اس قوم کے امین ابو عبیدہ ہیں۔“

اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ گھر لوٹ آئے اور رسول اللہؐ کے ممتاز ترین صحابہ کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا پھر آدمی بھیج کر جاتین کو طلب کیا۔ اور کہا عقل و دانش میں تمہارا مرتبہ عیسائیوں میں بہت بلند ہے۔

اس کے علاوہ انہیں بھی تم کو یاد ہے اگر تم سچ بتاؤ تو ایک بات تم سے پوچھوں۔ ”جائیتق نے کہا جو کچھ مجھے معلوم ہے آپ سے سچ بیان کر دینگا۔ (راقی امجدی)

لذات — ان کا تجزیہ و تحلیل

از جناب میر تقی میر صاحب الہیہ - اے

خواہش، حرص یا آز کی تسکین سے نیم شعور (SUBCONSCIENCE) جس تسکینی جذبے کا ادراک کر کے شعور کے انتہاج کا باعث ہوتا ہے۔ عام محاورے میں اسے لذت کا نام دیتے ہیں۔

لذت کو محض لذت کی خاطر حاصل نہ کرنا چاہیئے بلکہ طمانیت قلبی کے اصول کو ہر لذت میں ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اور اگر کسی لذت کی بنا پر آئندہ راحت دائمی یا سرور طمانیت باطنی میں نقصان واقع ہو تو محض فدی انبساط کی خاطر دائمی راحت کو قربان نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس لذت سے کنارہ کش ہو جانا ہی بہتر ہے۔ مثال کے طور پر ایک فضول خرچ مسرت کے حالات کو تصور میں لاؤ۔ فضا بھری سے غمگین دفوں کے لئے تو غرب لطف نصیب ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر تمام عمر حرص اور مقصدی کا عذاب عارض حال ہو جاتا ہے۔ اس لئے فضل خیر ہی سے محترز رہنا ہی بہتر ہے۔ یعنی چار دن کی بچانہنی اور پھر اندھیری رات والا مضمون نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے بسا اوقات انبساط کے مقابلے میں انقباض اور وقتی لذت کے عرصن کرب گوارا کرنا بھی انسان کے حق میں مفید ہو سکتا ہے۔ مثلاً تھکے سینہ سے انبساط اور کمرے میں بیٹھ کر اقلیدس کے مسائل یاد کرنے سے انقباض ضرور ہو گا۔ جیسے ایک انٹرنس کا طالب علم امتحان سے پہلے اپنا وقت سیر و تفریح میں بسر کرتا رہے۔ تو مختصرے دفوں کے انبساط کے بعد مدتوں کا انقباض لاحق ہو جکے گا۔

آپ مقدمہ: فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا کی لطیف توجیہ میں بھی مذکورہ صدر حقیقت کی طرف قصیدہ لفظی اشارہ ملتا ہے۔ پس لذت سے دائمی سرور یا اطمینان کا حصول مطلع نظر ہونا چاہیئے۔ سرور اور نیکو دلی (GOODNESS) کو لاینگک سمجھنا چاہیئے۔ قلب مطمئن سے حیات طیبہ کوئی تباہ شے نہیں ہے۔

بہترین انبساط (سرور) جسمانی یا مادی نہیں بلکہ عقلی اور ذہنی ہی ہوتا ہے۔ جس قدر سرور بذریعہ حواس خمسہ ظاہری حاصل ہوتا ہے۔ وہ بہت جلد فنا ہو جاتا ہے۔ لذتہ غذائیں، کلاب کی خوشبو، موسیقی اور نغمات۔ حسین و جمیل صورتیں، پکینی اور ملائم اشیاء یہ سب اپنی اور فانی باتیں

ہیں۔ نظری نیشاپوری نے کیا خوب کہا ہے۔
حجاب چہرہ جاں می شود غبار تنم
خوش آں دمی کہ انیس چہرہ پردہ بدلم
لذت سے لذتہ غذائیں کھا لو ان کی لذت صرف اسی وقت تک ہے۔ جب تک ذراہ خلق سے نیچے نہیں اترتا۔ پھول کی خوشبو کیسی ہی دلپذیر کیوں نہ ہو۔ چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہتی۔

کھانے کی لذت ذائقہ اور چٹخارہ لباس کی لذت زیب و آرائش (FASHION) اور مکان کی لذت شان و تجل کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ حالانکہ کھانا پیٹ بھرنے کو لباس تن ڈھانپنے کو اور مکان سر پھپھانے کو ہونا چاہیئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی الفقر فخری اسی تفصیل کا اجمال ہے۔
ابن یسین فرید لوی اسی مضمون کو یوں پیش کرتا ہے۔

(۱) دو قرص نان اگر ان گندم است یا از جو دو تائے جامہ اگر گندہ است یا خود تو

(۲) بہ چار گوشہ دیوار خود بہ خاطر جمع کہ کس نگوید انہیں جا بجز و آں جاو

(۳) ہزار بار فزوں تر بہ نزد ابن یسین نہ قر ملک کیتباد و کیمخرو

آج کی دنیا ان تین بنیادی ضرورتوں کو بدور کرنے کی بجائے ان سے لذت کے حصول میں سرگرداں اور کوشاں نظر آتی ہے جس سے انفرادی، اجتماعی قومی اور بین الاقوامی زندگی سخت دشواریوں سے دوچار ہے۔ بنی آدم اگر ان تین ضرورتوں کو صرف بنیادی طور پر پورا کر لیں تو انفرادیت سے لے کر بین الاقوامیت تک ایک دوسرے کو ہڑپ کرنے کی کوشش کی بجائے نگلاں اور ہاسان بن سکتی ہے۔

اطمینان قلب کے حصول کے لئے نہایت پاک اور سادہ زندگی بسر کرنے کی ضرورت ہے۔ دولت مند وہ نہیں جس کے پاس سونے کے انبار ہوں بلکہ دولت مند وہ ہے جسکی ضروریات کم ہیں۔ فرخی بزدی کہتا ہے فرخی آسودگی در حرص بے اندازہ نیست میشود آسودہ آں کس نہ برا کم حی کند

علامہ اقبال مرحوم نے اپنی تعلیمات کا مدار اسی فلسفہ پر رکھا۔ مودکال کا ترجمہ انہوں نے اپنے کلام میں جا بجا پیش کیا ہے وہ استغناء قناعت اور فقر کی جملہ جمالی اور جلالی کیفیات کا حامل ہے۔ تزکیہ نفس یا تصوف اسی سے عبارت ہے۔ دنیا کی ساری خواہیوں کی بنیاد حرص و آزمہ پر ہی تو ہے۔ حرص و آزمہ ہی ایک انسان کو دوسرے کے لٹنے پر مجبور کرتے ہیں قلب مطمئن تو

بصدائق آیتہ شریفہ (الا بدکسر اللہ نظمین القلوب۔ ذکر الہی کی عقلی اور ذہنی لذتوں سے سرشار ہو کر مادی اور فانی لذتوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اسے اپنی آتش آزد کو فرو کرنے کی خاطر دوسروں کے خون جگر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ دنیا میں شر و فساد کا باعث نہیں ہوتا۔ بلکہ ماحول اس سے طمانیت اور سکون حاصل کرتا ہے۔

بقیہ خطبہ جمعہ صفحہ ۲ سے آگے ہے۔ اس پر جتنا اسے اس نے دیا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ جس شخص میں تین چیزیں پائی گئیں وہ دوزخ سے بچ کر بہشت میں پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام نصیب فرمایا اور بقدر ضرورت رزق عطا فرمایا اور وہ شخص اتنے رزق پر راضی رہا اور اسے کافی سمجھا۔

(۴) عن عمرو بن مامون الاودی

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لرجل وهو یظن انہ یغتنم حنسا قبل خمس شباہات قبل ہرمت وصحت قبل عقل وغناک قبل فقرک دضاغلت قبل شغلاک دحیولتک قبل موتک (رواہ الزہری) ترجمہ: عمرو بن مامون اودی سے روایت ہے۔

کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا۔ جبکہ آپ اسے نصیحت فرما رہے تھے۔ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے نصیحت سمجھ۔ بڑھاپے کے آنے سے پہلے جوانی کو۔ بیماری سے پہلے تندرستی کو۔ تنگدستی کے آنے سے پہلے آسودہ حالی کو اور مصروفیت کے آنے سے پہلے فراغت کو اور موت کے آنے سے پہلے زندگی کو

حاصل یہ ہے کہ ان مجسموں کے وقت کے آنے سے پہلے خدا تعالیٰ کو یاد کر لو۔ دوسرے دوسرے حسرت طنا پڑے گا۔ اور گیا وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔ دما علینا الا البلاغ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

سفر نامہ مقامات مقدسہ

(۲)
انجمن خیرات اسلامیہ لاہور

عراقی حکومت قائم ہوئی۔ ۱۹۲۷ء میں شاہ فیصل اول عراق کے بادشاہ بنے۔ ۱۹۳۲ء میں شاہ فیصل کے انتقال کے بعد شاہ فاضل دوم ان کے جانشین ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں شاہ فاضل دوم کے ایک حادثہ میں ہلاک ہو گئے اور ان کے بیٹے شاہ فیصل دوم ان کے جانشین مقرر ہوئے جو پچھلے دنوں پاکستان بھی تشریف لائے تھے۔

آج کا بغداد اگرچہ عباسی دور حکومت کا بغداد نہیں۔ پھر بھی یہ عراقی شان کا شہر ہے۔ دریائے دجلہ اس شہر کے درمیان میں بہتا ہے شہر کافی صاف ستھرا ہے۔ میونسپل رقبہ میں میونسپل کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ شہر کھجوروں کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے اور یہاں کوئی ۱۱۶ قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں۔ انکو، تھوڑے، میٹھا لیموں، سنگترہ وغیرہ بہت عمدہ پھل ہیں۔ اپریل اور اکتوبر کے مہینوں میں گرمی کی شدت ہوتی ہے بغداد کی موجودہ آبادی آٹھ لاکھ سے زیادہ ہے۔ ٹائیگرس پولیس میں جا کر کپڑے تبدیل کئے۔ اور تاریخی مقامات اور مزارات کی زیارت کے لئے ایک ٹیکسی لے کر چل کھڑے ہوئے۔

امام اعظم { سب سے پہلے حضرت امام اعظم اسم گرامی نعمان، ابو حنیفہ کینٹ اور امام اعظم لقب تھا۔ اسلام میں چار مدرسہ فکر ہیں۔ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ان میں حنفی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو ہیں۔ امام موصوف کہ فقہ اسلامی میں بہت بلند درجہ حاصل ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اموی اور عباسی دونوں دور دیکھے تھے۔ آپ کو ہمیشہ دینی مدارس حاصل کرنے سے نفرت رہی۔ آپ نے نہ تو اموی عہد حکومت اور نہ عباسی دور میں باوجود اصرار کے ہی نہیں۔ بلکہ سزاؤں بگٹنے کے بھی کوئی عہدہ قبول نہ کیا اموی دور میں آپ کو ہر روز درے مارے جاتے تھے اور عباسی دور میں آپ کو قید کر دیا گیا اور یہیں آپ کو زہر دیا گیا۔ جس سے آپ نے شہید میں انتقال کیا۔

امام صاحب کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ لیکن دیانت اور صداقت کا ہمیشہ پاس رکھتے آپ کے علم و فضل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فقہی مسائل میں آپ کی رائے اس بھی سند سمجھی جاتی ہے۔ آپ غیر معمولی دماغ کے بزرگ تھے اور ہر بات کافی انصاف اور معقول جواب دیا کرتے تھے۔ جب عباسی خلیفہ منصور نے آپ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اپنے اندر اتنے بڑے عہدہ کی اہلیت اور قابلیت نہیں رکھتا۔

مشرق ایشیاء سے تواضع کی گئی۔ یہیں عصر کی نماز پڑھی اور سواچھ بچے بغداد پہنچ گئے۔ لاہور اور بغداد کے وقت میں دو گھنٹے کا فرق ہے۔ یعنی لاہور میں چھ بجتے ہیں تو بغداد میں چار بجے کا وقت ہوتا ہے جب ہم بغداد میں آتے تو کسٹم کی معوی دیکھ بھال کے بعد بی۔ او۔ اے۔ سی کمپنی کی بس میں ٹائیگرس پولیس ہوٹل میں جا آتے۔ اس بس میں ہمارے علاوہ کوئی اور مسافر نہ تھا۔ ہوٹل آڈے سے ہوٹل تک راہ میں سینکڑوں عایشان عمارتیں نظر آئیں اور نئے ماڈل کی کاروں کی گزرت سے اس ملک کی امارت عیاں ہو رہی تھی۔ بس کا ڈرائیور اردو زبان سے واقف تھا۔ اس سے پتے میں خوب باتیں ہوتی رہیں۔ جب میں نے کہا کہ جس ملک کے عوام مغربی کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ وہاں سڑکوں کی ایسی بہتات ہو ہی کرتی ہے تو وہ میری اس بات سے بہت محظوظ ہوا۔ اگرچہ آج بھی بغداد ایک نہایت خوبصورت شہر ہے۔ لیکن فرداً فرداً تصور آج سے کئی سال قبل کے بغداد کی طرف چلا گیا۔ جب اس پر پہلے عباسی خلفاء کی حکومت تھی اور یہ شہر صنعت و تجارت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اہل علم کا مرجع تھا۔ اس خاک پاک سے بڑے بڑے بڑے فضیلت بزرگ پیدا ہوئے اور آخر اس خاک میں مدفون ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب بغداد دنیا میں عربوں کے نام سے مشہور تھا۔

بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد جب بنو عباس برسر اقتدار آئے تو انہوں نے بغداد کو اپنا دارالحکومت مقرر کیا اس دور میں دنیا میں بغداد کو ہر اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس وقت سے اس وقت تک بغداد پر کئی دور گزرے ۱۲۵۸ء میں چنگیز خاں کے بیٹے ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کر کے ہزاروں انسان تہ تیغ کر دیئے بلکہ ان نوادرات کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ جو عباسی دور میں بغداد کے لئے سرمایہ افتخار تھے۔ ترکمانوں اور صلیبیوں کے بعد اس پر ترکوں نے قبضہ کر لیا عثمانی عہد حکومت میں جب رفعت پاشا گورنر تھے۔ تو انہوں نے کئی کارخانے چھاپے خانے قائم کئے اور ہفتہ وار اخبار نکالنا شروع ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں انگریزی فوج نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ چار سال کے بعد ۱۹۲۱ء میں یہاں پہلی

سوائے پیرم عبدالحی کے میں اپنی باقی دوسری اولاد سے فارغ البال ہو چکا ہوں۔ اس لئے میں کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ خداوند تعالیٰ اس مبارک سفر میں اس پر اپنی برکات نازل فرمائے عین برکت ہی بننا میرا اپنے سفر کے متعلق میں نے اپنے فرزند اکبر عبدالغنی برقی سلمہ کو کراچی میں بذریعہ ٹیلیفون مطلع کیا تو انہوں نے شام روز کوشش کر کے تینوں پاسپورٹ ویزا کر کے ارجون کے ہوائی جہاز میں ہمارے لئے سیٹیں مخصوص کر لیا۔ ارجون بروز ہفتہ ایکسپریس ٹرین کے ذریعہ ہم لاہور سے روانہ ہو کر ۵ بجوں کو ایک بجے کے قریب کراچی پہنچ گئے اور ارجون کو غیر ملکی سلمہ حال کر کے اس روز ۱۲ بجے دوپہر بی۔ او۔ اے۔ سی کمپنی کے سپیڈر بڑے میسج ہوائی جہاز میں سوار ہو کر عازم بغداد ہو گئے۔ یہ جہاز کافی کثادہ ہے۔ نشستیں فراخ اور آرامدہ۔ عملہ بڑا مستعد و دران بہ روانہ میں نہایت مصفا لہذا کھانے، بوس اور پھل ملنے رہے۔ مسافروں کی دیکھ بھال آرام اور کمشنر کا فرداً فرداً خیال رکھا گیا۔ پرواز کرتے اور اترتے وقت کسی قسم کی کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ دس برس ہوئے مہری اہلیہ جے سے واپسی پر ہوائی جہاز کے ذریعے ہی آئی تھیں۔ اس کے علاوہ دو تین بار کراچی سے لاہور اور وہی تک فضائی سفر کر چکی تھیں۔ انہوں نے تمام راستہ کوئی تکلیف محسوس نہیں کی۔ البتہ پیرم عبدالحی کو چکر آتے رہے۔ اور اس نے اکثر وقت غنودگی میں کاٹا۔ وضو تو عطا ہی نشست پر بیٹھے بیٹھے غلہ کی فائدہ ادا کی۔ پینالیں سنٹ تک جہاز آبادان میں مقرر۔ اترے تو ہلاکی نہ اور گرمی تھی۔ غسل خانے میں گئے۔ مگر وہاں لوٹا نہ ہونے کے باعث پریشانی ہوئی۔ میں سفر میں ہمیشہ ایک لوٹا اور گلاس اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ لیکن اس دفعہ غنودگی کے اصرار پر کہ ہوائی جہاز میں یہ چیزیں کیسے چائیگی۔ انہیں کراچی میں چھوڑ دیا۔ آخر فضائی ڈوے کے ایک قلی کے ذریعے ٹین کا ایک ڈبہ لے کر دفعہ صحت سے فارغ ہو کر دھوکا کیا۔ آبادان کا فضائی ڈوہ اور اس کا ریسپونڈنٹ آل خاصہ بڑا ہے۔ دیواروں پر مختلف پوسٹر آویزاں تھے۔ اور شاہ ایران کی فرٹو بھی۔ لیکن میز کرسی کی حالت بڑی اتر تھی۔ انکی خدمت خالی اور کارکنان کی عدم توجہی کے باعث یہ منظر بڑا بے لطف اور پھیکا نظر آ رہا تھا۔ رات تو کجا کھنڈے سے پانی کا بھی انتظام تک نہ تھا۔ خدا خدا کر کے جہاز چلنے کا وقت قریب آیا اور ہم اس میں بیٹھ گئے۔ جہاں برعکس پانی اور تھوڑے

مذہب کی ضرورت

از جناب ماسٹر کمال دین صاحب انگریزی انسٹی ٹی

حقیقت اسلامی ایک قانون فطرت ہے جو ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ تدبیر و تفکر کی قوت کو اگر مخلصانہ عمل کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ تو انسانی ضمیر بے ساختہ پکار اٹھتی ہے کہ میری ساری بیچینی و اضطراب کا علاج اور میری تمام مسکینا شب و روز کا حاصل کسی ایسی ہستی کے سامنے اپنا زندہ سچا عہد و عہدیت ہے جو اپنی شان میں بے ہمتا پیش ہو۔ جب انسان کی متلاشیانہ نگاہیں بیکاری سے کسی معبود کی جستجو میں اٹھتی ہیں تو سخت اثر سے لے کر فلک اطلس تک کی ہر چیز زبان حال یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ جس بے نظیر ہستی کی تجھ کو تلاش ہے وہی زبان و مکان میں عبادت کے لائق ہے۔ کیونکہ اس کی اور صرف اسی کی ذات زوال و انحطاط کی خلقی کیفیات سے مبرا و ارفع ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عقل و خرد کا پرستار انسان موجودات کی بھول بھلیوں سے باہر نہیں غل سکتا اور اپنے وضع کردہ اصولوں اور اپنی تلاش کردہ ماہیوں پر چل پل کہ ٹھک جاتا ہے۔ اور آخر کار خودی و نامردی کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنی غسٹیانہ دراندگی کا احترام ان الفاظ میں کرتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ ”معلوم کچھ نہیں۔“ مگر فطرت سلیم کا حال انسان اپنی دیباہی تو کہ اس طریق سے پیٹ پیٹ کر اور بچا بچا کہ زندگی کی سڑک پر چلتا ہے کہ غامضیاں اس کے لباس نقوی کو چھونے سے بھی عاجز رہ جاتے ہیں وہ رہنے کی کٹھن منزلوں پر عبور حاصل کرتا ہوا تشنگی اور آبلہ پانی کے مصائب بھیدتا ہوا آخر کار منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ خرد ہرزہ کار اس کو ہزاروں دام میں الجھانے کی کوشش کرتی ہے اور رستے کا ہر ذرہ اس کے فریب دینے کے لئے ہر لمحہ اٹھتا ہے۔ مگر وہ اپنی خدا داد الہامی استعداد سے ہمت کے قدم اباتا ہوا کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ یہی آئین ہے۔ یہی اسلوب فطرت ہے۔

جو ہر راہ عمل میں کامزن محبوب فطرت ہے اس مقام پر پہنچ کر اس کو ہر ذرہ میں دعوت الی اللہ اور دانش نورانی کے چشے اُبلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نظر آتا ہے۔ مجھے جزو میں کل کا نقشہ ذرہ چاہے تو ٹھکا دے مجھے صوابی کہ اب یہ انسان گل و غار۔ شجر و حجر و ماہ

غریبہ ارض و سما کی کسی چیز کو بھی حیثیت سردی اور خشک قیودیت سے متصف نہیں دیکھتا اور بالآخر پکار اٹھتا ہے۔

انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفاً و ما انا من المشرکین۔ یہ منزل حنیف ہے۔ یہ بعیرت الہامی کا مطلع ہے۔ یہ دانش نورانی کا فیصلہ ہے جو ایک بندہ خدا کو ماسوائے سے جدا کر کے خالق کون و مکان کے دروازے تک لے آتا ہے۔ یہ وہ منزل ہے کہ پہلی بھی ہے اور آخری بھی ہے۔ یہ یقین کا مقام ہے۔ یہ فطرت اللہ فطر الناس علیہا کی تقصیر ہے۔ اسی امانت خداوندی کو شرافت انسانی سے تیسر کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ چراغ ہدایت ہے جو ماحول کی تاریک اندھیوں میں بھی اپنی دائمی چمک سے جلتا رہتا ہے اور اسی جو ہر دہی کی تعریف میں صادق انجیر محبوب خدا کی زبان حقیقت بیان گویا ہوئی کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ بعدہ والدین اس کو یہودی نصرانی اور مجوسی دیتے ہیں۔ دوسرے مقام پر علم حقیقی نے سیدنا کی زبان سے فرمایا۔ میں نے اپنے بندوں کو حنفا پیدا کیا۔ پھر نیا طین نے اغوا کر کے انہیں سیچے راستے سے ہٹکا دیا۔ (حدیث قدسی)

یاد رہے فطرت اللہ وہ ذخیرہ ہے جس کے حلقے تمام افراد عالم میں۔ فرعون کے پاس کلیم اللہ کا جانا اور نمرود کو خلیل اللہ کا پیغام ہدایت پہنچانا اور مکہ معظمہ کے فرعون و ملغ رشتہ داروں کو رحمتہ اللعالمین کا دعوت قہید دینا عہد ہوتا۔ اگر فطرت اللہ کے خسرانہ فیض عام سے کسی انسان کا سینہ محروم رکھا جاتا۔ مگر یہ قدر عناد و فیض کی تائیدیوں نے اور حسد و جاہ طلبی کی فکرتوں نے اس ظلم و جہول کو ہر قدم پر نہایت ملک نفرتوں سے پائنتہ و مجروح بنا دیا ہے۔ ورنہ فطرت سلیمہ کو اگر اپنی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو دنیا سے حق و باطل کی محرکہ آماجیاں یک قلم موقوف ہو جائیں۔ آذربت گری کہ چھوڑ کر بت شکن بن جائے۔ فرعون کلیم اللہ کی گفتش برداری کرتا ہوا نظر آئے اور کعبہ اللہ کو بتوں کی بنارس سے صاف کرنے کے لئے ابو جہل کے لٹے بڑھیں۔ یاد رہے جاہ طلبی اور کبر و نخوت کے جراثیم روحانی قوتی کو دونوں

کمزور کر دیتے ہیں۔ سچی کہ حیات و ممات کا خوفناک منظر دیکھنے میں آتا ہے اور آخر کار سرکشی و ترو کے بھوت پہلی ہی آسانی گرفت میں اپنے آپ کو عاجز پاکر پکار اٹھتے ہیں۔ امانت بہاب موسیٰ و ہارون۔ مگر اب پھٹاٹے کیا ہوت جب چڑیاں چمک لیں کھیت سرور کا عالم کے غلاظت شہاد سپاہی کرک کہ باب دیکھتے ہیں۔ اَللّٰہُ وَاَقْلَ عَصِیْتَ قَبْلُ وَاَنْتَ مِنَ الْغٰفِلِیْنَ یہ وہ بد نصیب انسان ہیں جو کلیم اللہ کی روح خلیل اللہ کی نبوت اور محمد رسول کی رسالت کو اپنی نجات کا ذریعہ نہ بنا سکے۔

وہ جنکو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں یہ سور استعداد ہے جس کا بیخبر انسان اپنے اعمال بد کی پاداش کی صورت میں جھکتا ہے۔ یہ وہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ہیں جو خود ہمارے ہاتھوں کی تیار کردہ ہیں۔ وہ خدا کے ذوالنہی کی رحمت عامہ نے سب کو فطری طور پر نصت شغور سے نوازا ہے اور یہ روشنی ہر طرح کی تاریکی میں اپنی چمک دکھاتی رہتی ہے۔ مگر انسان عالمی سزا و عقوبت کی طرف جانے میں بڑا پیماک ہے اور اپنی ماعاقبت اندیشی سے اپنے مستقبل کو خواب کرتا رہتا ہے۔ حضرت علامہ اقبال اپنی ایک چھوٹی سی مگر معنی خیز نظم موسم ”ہمیر فلک“ میں فرماتے ہیں کہ میں نے جنت کی سیر کی اور بعد میں فرشتے مجھ کو دوزخ کے پاس لے گئے۔ مگر وہ جگہ ایک سفیان ویرانہ تھا۔ میں حیران تھا کہ یہاں تو آگ کا نام و نشان بھی نہیں۔ میری حیرانی کو دیکھ کر رہنما فرشتے نے مجھ کو بتایا۔ ہم یہاں آگ جلانے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے۔ بلکہ

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں اپنے انگار ساخ لاتے ہیں لہذا یہ جواب سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ فی الواقع عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خالی اپنی فطرت میں نہ لوری ہے تارویٰ نیر میں یہی کھنا چاہتا تھا کہ خدا تاملنے کی عبادت کا جذبہ خود انسانی ضمیر میں رکھا گیا ہے اور طبیعت کے تقاضوں میں سے ہے۔ جن کو ہم فطری اور طبی سمجھتے ہیں۔ مثلاً جھوک کا تقاضا ہے کہ کھانا میسر آئے۔ پیاس کا تقاضا ہے کہ پانی میا کیا جائے۔ جب تھائی کے بیجا ملک چھلاو سے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کرتے ہیں تو ہم ایک دوسرے کی ہنیشنی کے قابو ہوتے ہیں۔ تمدنی معاشرتی اور مجلسی مزمریات مجبور کرتی ہیں تو یہ غرور کا پتلا اپنے سے کہیں غریب مزدوروں کے دروازوں پر

عمرہ گہیر

گزشتہ سے پیوستہ

ادبلی کمال الدین مکہ لاہور کا پرنسپل شامی

بعض تو جہیز میں ایسی فضول اور بیکاری چیزیں دیتے ہیں کہ تمام عمر نہ تو ان کو پہننا سبب ہوتا ہے اور نہ برتنے کے کام میں آتی ہیں۔ برتن ہوں تو پرے پرے دھکے کھاتے رہتے ہیں اور کپڑے ہوں تو کپڑوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک عورت اپنے جہیز کے کپڑے بیچنے کے لئے آئی اس کی شادی کو تیس سال ہو چکے تھے۔ کپڑے قیمتی تھے۔ مگر کپڑے نے سبکہ جگہ سوراخ کئے ہوئے تھے۔ گویا اس اللہ کی ہندی کو وہ کپڑے پہننے نصیب نہ ہوئے۔ جب پرے پرے خراب ہو گئے تو بیچنے کی سوچی اب رڈی مال کوں لے۔ جہیز کے دکھلاوے کی یہ رسم اب تک تو گھر والوں۔ صافوں۔ رشتہ داروں۔ ہمسایوں اور محلہ والوں تک محدود تھی۔ اب نیت یہ ہے کہ اگر میری بیٹی کے جہیز کا اعلان تمام شہر میں ہو جائے تو مزہ آئے۔ چنانچہ ایک ایک برتن ایک ایک کپڑے کے سر پر رکھا جاتا ہے اور ایک خاصی لمبی قطار جو بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلی جائے بنائی جاتی ہے۔ چاہے وہ تمام سامان ایک دو بوریوں میں آ جائے مگر وہاں تو دکھاوا اور نظارہ کرانا مقصود ہوتا ہے۔ کہ آؤ تمام شہر کے لوگو اب تم بھی میری بیٹی کے کپڑے، برتن، زیور اور دوسری اشیاء ملاحظہ کرو۔ زمانہ کپڑوں کا مردوں کو دکھانا کس قدر غیرت کے خلاف ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہماری مستورات اپنے کپڑے دھو بی تک کو بیچتے ہوئے شرفاتی تھیں اور اب خوب نظارہ کر کرکے دل خوش نہیں ہوتی۔ آگے آگے باجے والے اور پیچھے پیچھے جہیز کے سامان کی قطار۔ آہستہ آہستہ نظارہ کرنا کہ چٹنی شروع ہوتی ہے۔ باجے کی سرسلی آواز سن کر شہر کے لوگ جمع ہو ہی جاتے ہیں اور پھر وہ ایک ایک جہیز کو خوب غور سے دیکھتے جاتے ہیں۔ باجے کے حرام ہونے کو کون نہیں جانتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر باجے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور یہ ایسا مردود ہے کہ انسان کی نیکیوں کو برائیوں میں تبدیل کر دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چنانچہ یہیں دیکھ لیجئے کہ جیز دینا ایک اچھی بات تھی۔ بیک کا کام تھا مگر اس ملعون نے اس میں ریاء اور باجے کا جے کی خوراک کو شامل کر کے برباد کر ڈالا

وروزہ گری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح اور عین اسی طرح فطرت صبر کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کو معبود حقیقی کا پرستار بنادے اور خداوندان باطل سے رشتہ توڑ کر صرف ایک ایز و منتال سے تعلق ہوڑ دے۔ جہیز کی اسی کوڑ کو دوسرے الفاظ میں مذہب نام دیا گیا ہے۔ گویا مذہب کی احتیاج ہمارا پیدائشی جذبہ ہے۔ مگر وہ معصہ جو غذا پر اپنا عمل کرنے سے قاصر ہو۔ اکثر امتلا کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اشتہا کا نام تک باقی نہیں رہتا۔ اچھے سے اچھے کھانوں کی طرف نظر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ مریض کچھ حکماء کی سوء تدبیر اور کچھ اپنی اکٹھا ہٹ اور بد پریشی کی وجہ سے زندگی کی باقی گھڑیاں سسک سسک کر گزار دیتا ہے اور آخر کار نہایت مایوسانہ انداز میں داعی اجل کو لبیک کہتا ہے۔ اسی کے مطابق اگر انسان کی طبیعت پر بڑے اثرات کا رنگ پڑ جائے تو وہ دانش برائی سے کام لیتا ہے۔ مگر یہ بیچاری اس کی رہنمائی سے عمرہ بک نہیں ہو سکتی عقل بے ماہر امارت کی سزاوار نہیں رہبر ہوں نطن و تھیں تو زبوں کار حیات (اقبال مرحوم)

یہ کوتاہ بین انسان دریائے خیر کے گرداب بلا میں پھنس جاتا ہے۔

ہے دانش برائی حیرت کی غزوئی میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ عقل و خرد ایک اندھی مخلوق ہے جو ہر وقت زندگی کے نقیب و قرار میں جھٹکتی پھرتی ہے اور اس کی ہر فکر اور ہر عمل ذلت و رسوائی اور بربادی و ہلاکت پر منتج ہے۔ بلکہ میں تو عقل و خرد کی وسعت اور پھر اس کی حدود پر غور کر رہا ہوں۔ اہل بصیرت نے اس کی تنگ و دو تھے مراحل مقرر کئے ہیں اور پھر اس کی آخری منزل پر بھی نظر ڈالی ہے۔ لاہور میں ایک صاحب جذب و جزل شاعر نے اپنے بانی مشاہدے کا اعلان ان الفاظ میں کیا ہے۔

عقل گو آستان سے دور نہیں اس کی قسمت میں پر حضور نہیں (اقبال مرحوم)

لہذا یہ امر مسلمہ ہے کہ عقل و خرد کی بے لوث اور مخلصانہ کوششیں کسی الہامی رہنمائی کی ہرقت محتاج ہیں۔ کیونکہ آستانہ سے آگے لے جانے کے لئے کسی مویہ من اللہ روشن ضمیر ہستی کی ضرورت ہے۔ جو خالق کون و مکان کے دستور العمل کو پیش نظر رکھ کر قائم اٹھائے اور صبح و سالم منزل مقصود تک لے جائے۔

نسب کی نیکی نہ رہی۔ بلکہ بدی بن گئی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو میرے پردہ و کار نے ان باجے کا جے کے آلات کو مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔ محلا جس کے مٹانے کے لئے حضرت تشریف لائیں۔ اس کے رونق دینے والے کا کیا ہنگامہ راستے میں یہاں باجہ بجا تو حضرت کاٹوں میں انگلیاں دے لیا کرتے تھے۔ گویا سخت نفرت تھی۔ اس منحوس آواز کو سنتا ہی گویا نہ فرستتے تھے۔ آپ نے باجے پر لعنت بھیجی ہے۔ آپ نے باجہ بجانے والوں کے متعلق بندہ اور شہر بدر بننے کی خبر دی ہے۔ خدا کی پناہ! اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسے بڑے کاموں سے بچائے کہ بن میں نہ دین کا بھلا اور نہ دنیا کا۔ مگر سے روپیہ خرچہ اور اٹلا عذاب اپنے پے بانہ ہو۔ اپنی کماٹی کو ایسے فضول اور بیورد کاموں میں اڑانا عقلمندی نہیں ہے۔ عقلمندی یہ ہے کہ جتنا روپیہ اس گناہ کے کام میں صرف کیا جائے۔ اگر اسی روپے سے کسی غریب بیوہ کے مکان میں پانی کا ٹنکہ لگا دیا جائے تو تمام عمر کے لئے صدقہ جاریہ ہو جائے گا۔ بلکہ مرنے کے بعد بھی جب تک اس ٹنکے کے پانی سے لوگ نفع اٹھاتے رہیں گے تو اس کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ جس نے کہ ٹنکہ لگوا دیا۔ ورنہ قرآن شریف میں تو فضول مال اڑانے والے کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے اور ایک آیت میں ہے کہ مال فضول اڑانے والوں کو اللہ نہیں چاہتے۔ یعنی ان سے بیزار ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ہی بیزار ہو جائے تو پھر اس کا ٹنکہ کہاں؟

ہمارے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دے کر دینا کے سامنے ایک مثال قائم کر دی ہے؟ جہیز کیا تھا؟ صرف دو بازو بند چاندی کے۔ ایک تکیہ۔ ایک کلی۔ ایک پیالہ ایک پتلی ایک بشکیڑہ اور پانی رکھنے کا برتن یعنی گھڑا۔ دو چار بیانی جو سوئی کے طور پر ہوتی تھیں۔ وہ نہالی جس میں اسی کی پھال بھری ہوتی تھی۔ چار گدے اور بعض روایتوں میں پٹنگ بھی آیا ہے یہ تھا دونوں جہاں کی شہزادی کا جہیز۔ یہ نہیں تھا کہ وہاں کسی جہیز کی کمی تھی۔ اگر حضور اس بات کو پسند فرماتے کہ جہیز کو بڑھا چڑھا کر اور دکھلاوے کے ساتھ دینے میں مہری باقی برصغیر

منصور نے کہا "آپ بھرتے ہیں"۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا۔ اگر میں بھرتا ہوں تو پھر کسی صورت میں بھی قاضی بننے کے لائق نہیں کیونکہ بھرتا شخص قاضی نہیں ہو سکتا۔ منصور نے غصے میں آ کر قسم کھائی کہ تم کو یہ عہد قبول کرنا ہی ہوگا۔ آپ نے بھی قسم کھائی کہ میں یہ عہد برگز قبول نہ کروں گا۔ اور فرمایا کہ میں نے اس لئے قسم کھائی ہے کہ میں اس کا کفارہ ادا نہیں کر سکتا اور چونکہ تم بادشاہ ہو۔ اس لئے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر سکتے ہو۔ اس تنازعہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ منصور نے آپ کو قید کر دیا۔

مزار پر ایک بہت بڑا اور عالی شان قبر ہے اور جانی کے گنگے پر چاندی کا کام ہوا ہے۔ یہ گنگہ ہارون رشید کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک مسجد ہے۔ جسے شاہ الپ ارسلان نے سلسلہ میں تعمیر کیا تھا۔ سلطان سلیمان اعظم نے ۸۵۳ھ میں اسے دوبارہ بنوایا۔

جس طرح پاکستان میں لوگ مزارات کی جالیوں کے ساتھ رنگ برنگ کے دھاگے باندھ دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کے لوگ مزار پر منت کا کالا لگا دیتے ہیں۔ جسے منت کے پورا ہونے پر کھول دیا جاتا ہے۔ غارت پر بھی اور دعا کی کہ خداوند تعالیٰ ہمیں بھی ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ کیونکہ حاجات کا پورا کرنا صرف اسی خدا سے واحد کے قبضہ و قدرت میں ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یاں سے ہم حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر افراد پر گئے جو محلہ بابل شیخ میں واقع ہے۔ قبر کے گرد چاندی کی چالیاں ہیں۔ امام اعظم کی طرح یہاں بھی منت کے تالے پڑے ہوئے دیکھے۔ باہر کے کتبہ پر یہ شعر کندہ ہیں بادشاہ ہر دو عالم شاہ عبدالقادر است سرور اولاد آدم شاہ عبدالقادر است آفتاب ماہتاب و عرش و کرسی و علم نور قلب از نور اعظم شاہ عبدالقادر است یہ وہی بزرگ ہیں جن کے متعلق نادانوں کے اعداد کن اعداد کن از بند غم آزاد کن در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر اور شینا شد کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم کی واضح تعلیم ہے کہ ایالت بعد وایالت مستعین یعنی تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی امداد چاہتے ہیں جسے سب ہر نامہ میں پڑھتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اس لئے

محی الدین کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے علم و عمل سے دین کو زندہ کیا۔ آپ ایمان کے شجر ہیلان کے رہنے والے تھے۔ حصول علم کے لئے بغداد تشریف لائے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد یہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۶۵۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ جب ترک خلیفہ سلیمان بغداد میں پہنچا۔ تو اس نے جہاں امام اعظم کے مقبرہ کی مرمت کرائی۔ وہاں شیخ کے روضہ کے ساتھ ایک مسجد بنوائی اور مدرسہ قائم کیا۔

اور اس کے ساتھ اتنی جائداد وقف کی کہ سال کا خرچ پورا ہو سکے۔ اس مسجد کا گنگہ بغداد میں خوبصورت ترین شمار ہوتا ہے۔

آپ دیانت، صداقت، علم و فضل، زہد و ریاضت، سخاوت، استغنا اور بے خوفی کا پیکر تھے۔ ہر روز جو کچھ نذرانوں کی صورت میں آتا وہ شام تک راہ خدا میں بانٹ دیتے حتیٰ بات کہنے میں کبھی نہ جھجکتے اور سچی بات بادشاہ کے منہ پر بھی کہہ دیتے۔ ایک مرتبہ خلیفہ عباسی خلیفہ مستنجد باللہ نے آپ کو اشرافیہ کی ایک پتی دی۔ اشرافیوں کو دیکھ کر آپ غصہ میں آ گئے اور فرمایا۔ تو مجھے غریبوں کا خون چوس کر جمع کیا ہوا روپیہ دیتا ہے۔ تجھے شرم آنی چاہیے۔ میں اس روپیہ کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔

اس کے بعد ہم لوگ مشہور ولی اللہ حضرت ابو بکر شبلیؒ کے مزار پر گئے۔ حضرت امام اعظم کے مزار کے قریب ہی قبرستان میں آپ کا مزار ہے۔ جس پر ۷۱۰ھ میں سلطان ترکی عبدالحمید خاں عثمانی نے ایک کتبہ لگا دیا تھا۔ آپ میں جذب بہت تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں میں مٹی ہوئی لکڑیاں لئے بھاگے جا رہے ہیں لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں جنت اور دوزخ کو آگ لگانے جا رہا ہوں تاکہ لوگ محض اللہ کے لئے اس کی نماز پڑھیں دوزخ کے خوف اور جنت کی آرزو میں اس کی عبادت نہ کریں۔

کاظمین شریف بغداد سے ۶ میل کے فاصلے پر حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام محمد تقی کے مزارات ہیں۔ قبوں، دیواروں اور صحنہ دروازہ پر صحنے کے پتھرے چڑھے ہوئے ہیں۔ دیواریں رنگا رنگ کے شیشوں سے جگمگا رہی ہیں۔ ہر وقت زائرین کی بھیڑ رہتی ہے۔ پیغمبر حضرات کے لئے یہ بہت مبارک جگہ ہے۔ یہ عمارت اور مسجد ایرانی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اسے ۵۵۰ھ میں

شاہ اسماعیل صفوی نے تعمیر کیا تھا۔ اب ملت کافی ہو چکی تھی اور سامان پھرنے سے کچھ تسکین بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لئے واپس ہوٹل آ گئے اور عشا کی نماز کے بعد آرام کیا۔ آج ہم نے جو ٹیکسی لی اس کا ڈرائیور انگریزی کے علاوہ لڑکی چھوٹی اردو بھی جانتا تھا اس لئے ٹیکسی گاڑ (دراہنا) کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ یہ خود ہمیں ہر جگہ باسانی لے جاتا رہا اور سہولت کے ساتھ زیارات کرائیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسے اگلے روز بھی آنے کے لئے کہہ دیا گیا۔

ہر یوم بروز منگل ابھی ہم نماز اور ناشتہ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ عبدالکریم ٹیکسی ڈرائیور موٹر لے کر آ گیا۔ ہماری فرمائش پر ہوٹل والوں نے ہمارے لئے دوپہر کا کھانا تیار کر دیا تھا جسے لے کر ہم روانہ ہوئے۔

بغداد کی سڑکیں بڑی صاف ستھری ہیں۔ جن پر ٹارکول بچھا ہوا ہے۔ آب و ہوا خشک اور صحت بخش۔ یوں میں کافی گرمی ہوتی ہے۔ مصافحات سمیت انڈازا دس لاکھ آبادی ہے۔ زہیدہ سکوتر، کنگ فیصل سکوتر، مین سکوتر اور میدان سکوتر مشہور چوک ہیں۔ رشید سٹریٹ، مارل سٹریٹ، عسکری سٹریٹ، غازی سٹریٹ اور قسبی سٹریٹ اور چھٹا ہوا بازار بڑے پر رونق اور تجارتی گڑھ ہیں۔ بغداد میں موٹروں اور بسوں کی اس قدر افراط ہے کہ ٹھوڑے ٹھوڑے عرصہ کے لئے راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ سڑکوں اور بازاروں میں خوب رونق اور چل پھل تھی۔ جاہا قہوہ خانے اور ہوٹل موجود ہیں۔ یہاں ہر صبح اور قماش کے لوگ حسب عیشت وقت گزرتے ہیں۔ (باقی پھر)

حقیقہ عمرہ پیر صفحہ ۱۵ سے آگے

عزت شہرت، ناموری یا کچھ قرب کی بات ہوگی تو بخدا باری تعالیٰ جنت سے عہد عہد لباس نرود اور بہترین قسم کا سامان جھڑا۔ اگر وہاں تو امت کی طرف نظر تھی کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میری امت کے غریب لوگ کہا کہ بچہ غریب تو غریب بلکہ امیروں کے لئے مشکل پڑ جائے گی۔ اس لئے عہدہ پہنچ دیا ہے۔ جس میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ عہدہ پیرزادہ ہے جس میں اپنی گنجائش کا لحاظ رکھا جائے۔ عہدہ پیرزادہ ہے جس میں ضرورت کا خیال رکھا جائے۔ عہدہ پیرزادہ ہے۔ جس میں اعلان و اظہار نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ تو اپنی اولاد کیساتھ احسان و سلوک ہے۔ دوسروں کو دکھانے کی کیا ضرورت۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اعمال صالحہ کی توفیق دے اور دکھلا دے اور شہرت کے کاموں سے بچائے۔ آمین تم آمین۔